آئینۂ اسلام

CHECKED

ابتدائے اسلام سے لے کر شہادت امام حسین علیہ السّلام کے واقعۂ ہائلہ تک اردو زبان میں ایک ملخّص تاریخ جس کو آغا مختار حسین صاحب میر آبادی کشمیر و جموں قید قلم میں لائے ہیں۔ نہایت آب و تاب کے ساتھ ولایتی کاغذ پر چھپ کر تیار ہے اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یا خصوصیت یہ ہے کہ تاریخ اسلام کے بڑے بڑے واقعات کا اس خوبصورتی سے خلاصہ کیا ہے کہ بے ساختہ مُنہ سے نکل جاتا ہے کہ مؤلف ممدوح نے دریا کو کوزہ میں بند کیا ہے یہ کوئی اریجنل تالیف یا تصنیف نہیں ہے بلکہ عالیجناب معلّی القاب رائٹ آنریبل جسٹس سیّد امیر علی صاحب کی مشہور کتاب سپرٹ آف اسلام کا با محاورہ ترجمہ اور خلاصہ ہے مؤلف ممدوح کا بیان ہے کہ اس مختصر لیکن جامع رسالہ کی تالیف کا احساس یوں پیدا ہوا کہ بڑی بڑی ضخیم کُتب تواریخ کو خصوصًا جو اردو زبان میں تحریر کی گئی ہوں۔ انگریزی تعلیمیافتہ اصحاب مطالعہ کرنا پسند نہیں کرتے

سید صغیر حسن شمسی نبیرہ الحاجی واسطی نے مطبع یوسفی دہلی میں چھپوا کر شائع کیا

مختصر فہرست کتب موجودہ کتبخانہ متعلقہ مطبع یوسفی کشمیری دروازہ دلی

تفسیر عمدۃ البیان ہر سہ جلد بزبان اردو

کلام اللہ کی یہ بے نظیر تفسیر آیۃ اللہ فی العالمین حاجی الحرمین الشریفین مقبول بارگاہ لم یزلی جناب مولانا و مقتدانا مولوی السید عمار علی صاحب اعلی اللہ مقامہ فی فرادیس الجنان کی تصنیفات سے چھپکر ہندوستان کے ہر گوشہ اور شیعی دنیا کے ہر طبقہ میں اس قدر مقبول ہوئی ہے کہ چار دفعہ چھپنے پر بھی اس کی مانگ ملک کے ہر چہار طرف سے برابر چلی آتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس تفسیر کو اردو میں لکھکر جناب مولانا نے جو احسان ہم شیعیان ہند پر فرمایا ہے انکا اجر سوائے پروردگار عالم کے اور کون دے سکتا ہے اس مرتبہ یہ مقدس تفسیر دس دس پاروں کی تین جلدوں میں طبع ہو کر شائع ہوئی ہے۔ خوشخطی کا کامل اہتمام کیا ہے کاغذ اعلی درجہ کا لگایا ہے چھاپہ نہایت صاف اور روشن ہے قلم بشیر کی لکھت جلی تقطیع ۲۰×۲۶ دو صفحہ آیات قرآنی کو دیگر عبارات تفسیر کی بہ نسبت اس قدر واضح قلم سے لکھا ہے کہ جس آیت کو دیکھنا چاہیں باسانی ملاحظہ کر سکتے ہیں فریقین کے متنازعہ فیہ مقامات اور مناظرہ کی سرخیوں کو حاشیہ پر خاص جلی قلم سے لکھا ہے غرض یہ نادر تفسیر اب کی دفعہ نہایت ہی اہتمام و جانفشانی او تمام خوبیوں کے ساتھ چھپی ہے

قیمت درجہ اول بیس روپیہ۔ درجہ دوم پندرہ روپیہ

صحیفہ کاملہ مترجم بہ ترجمہ اردو

الحمد للہ کہ جس گوہر نایاب کی جوہریوں کو ایک عرصہ سے تلاش تھی نگاہوں کے سامنے موجود ہو گیا وہ متبرک صحیفہ جس کا کامل نام ہے عنوان میں لکھا ہے جناب سید الساجدین علیہ و علی آبائہ الصلوٰۃ والسلام کی دعائیں اور اُن پر اثر الفاظ کا مجموعہ ہے جو ایک معصوم کی زبان سے نکل کر مالک دو جہاں کی بارگاہ میں حاضر ہو کر خلعت قبولیت کا جامہ پہن لیتے ہیں۔ اس متبرک صحیفہ کی نسبت [illegible] الفاظ کافی ہیں کہ این صحیفہ [illegible] عظیم الشان و جلیل القدر است در میان علمائے امامیہ زبور آل محمد و انجیل اہلبیت میخوانند" مومنین عرصہ سے اس [illegible] نہایت اہتمام کے ساتھ اسکو تیار کیا ہے اور جناب مولانا مولوی مرزا محمد حسن صاحب قبلہ [illegible] دہلوی کا تحت اللفظ ترجمہ بھی ساتھ ہے امید کہ مومنین اس نادر صحیفہ کی پر اثر دعاؤں سے اپنے مقاصد دینی و دنیوی و حاجات [illegible] کی کوشش کریں گے **قیمت** علاوہ محصول ڈاک [illegible]

[illegible]

فمن یرد اللہ ان یہدیہ یشرح صدرہ للاسلام

الحمد للہ والمنۃ کہ دریں ایام میمنت فرجام رسالہ شریفہ برائے استفادہ خواص و عام

یعنی

سنہ ۱۹۱۱ء

آئینۂ اسلام

سنہ ۱۳۲۹ھ

مؤلفہ

عالیجناب آغا مختار حسین صاحب سلمہ ربہ میر آب ہاشمی ریاست جموں وکشمیر

سید غضنفر حسن شمسی الواسطی نے مطبع یوسفی دہلی میں چھپوا کر شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

ہندوستان میں حکومت کے ساتھ جہاں طرز معاشرت۔ خیالات اور زبان میں تغیر عظیم پیدا ہوا وہاں مذہبی جد وجہد کا حرکت میں آنا بھی لازمی امر تھا۔ اسکو وقت کی تاثیر کہئے یا ہماری بدقسمتی نتیجہ یہ ہوا کہ آج کل کے نوجوان مذہب کو ایک خشک اور بے سود مضمون خیال کرنے لگے کس قدر افسوسناک واقعہ ہے کہ ہماری قوم کے انگریزی خواں نوجوان لوتھر۔ والٹر۔ بیکن اور گلیڈسٹون کے حالات سے بہ نسبت اُن قابل قدر و عظمت مآب بزرگوں کے بیشتر واقف ہیں جنہوں نے پاک مذہب اسلام اور اُس مفید تحریک کی بنیاد ڈالی جو بنی نوع انسان کے حق میں بیحد مفید ثابت ہوئی۔

لیکن بجائے اس کے کہ میں ان نوجوانوں کے اس رویہ کو ملامت آمیز نگاہ سے دیکھوں مجھے واقعی ایک قسم کی ہمدردی ہے اور جو میری اس تالیف کا باعث ہوئی ہے اصلیت یہ ہے کہ اسلام کی جس قدر بیشمار اور گرانقدر تاریخیں جن سے اس کی عظمت و شان کو بقائے دوام حاصل ہے اشاعت پذیر ہوئی ہیں وہ سب کی سب ایسی مشرقی زبانوں میں لکھی گئی ہیں جن سے ہندوستان کے کثیر التعداد اردو خوان اصحاب معتدبہ استفادہ نہیں اٹھا سکتے مشہور مورخ مثل ابوالفدا المسعودی۔ ابن خلدون اور مقریزی وغیرہ کی ساری تصانیف مشرقی زبانوں میں لکھی ہوئی ہیں جن کے ترجمے باقاعدہ اردو میں اب تک نہیں کئے گئے اور جو موجود ہیں وہ فارسی و عربی حوالہ جات اور پائیں حاشیوں سے اس قدر پیچیدہ کر دئے گئے ہیں جنکا مطالعہ اُن بچوں کے لئے جن کے والدین نے رفتار زمانہ سے مجبور ہو کر انہیں یونیورسٹی کورس کے موجب تعلیم دی ہے کچھ آسان کام نہیں اس لئے بہت سے مسلمان نوجوان اپنے مذہبی لیڈروں کی سرگذشت سے محض ناواقف رہ گئے۔

ضرورت نے مجھے مجبور کیا کہ میں ایک مختصر تالیف جس سے اسلامی حالات کا ایک مختصر اسکیچ ذہن میں آسکے اسلامی پبلک کے روبرو پیش کروں گو میری یہ مختصر تالیف درحقیقت اس کمی کو تو ہرگز پورا نہ کرسکیگی

جو بیدھے سادھے اردو علم ادب میں اسلامی تاریخ کی عدم موجودگی کی وجہ سے ہے لیکن امید ہے کہ دوسری مفید تصانیف کا پیش خیمہ ضرور ہوگی۔

اس سے قبل کہ میں اپنے دیباچہ کو ختم کروں میں اس امر کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ میری یہ تالیف محض چند انگریزی کتابوں کا اقتباس ہے اور یقیناً بہت سی فروگذاشتیں اس مختصر تالیف میں ناظرین کو ملیں گی جن کے لئے میں خواستگار معافی ہوں اور امید کرتا ہوں کہ دیگر اہل قلم اس کمی کو پورا کریں گے جو میرے سے رہ گئی ہیں اور اگر یہ سلسلہ احساس وقت سے جاری ہو گیا تو میں یہ سمجھ لوں گا کہ میری محنت ٹھکانے لگی۔

کنڈوعہ براستہ پٹھان کوٹ
۵- نومبر ۱۹۱۰ء

حقیر کونین
مختار حسین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب اوّل زمانۂ رسالت

بلغ العلےٰ بکمالہ کشف الدجےٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ صلوا علیہ وآلہ

عرب

جزیرہ نماءِ عرب براعظم ایشیا کے جنوب و مشرق میں واقعہ ہے اور بالخصوص اس لئے شہرت پذیر ہے کہ اس پاک سرزمین میں وہ جلیل القدر پیغمبر پیدا ہوا جس نے بنی نوع انسان کو عظیم فائدہ پہنچایا اور جسکا احسان آدم کی اولاد کبھی نہ بھولے گی۔ عرب کے شمال میں صحرائے شام مشرق میں خلیج فارس۔ جنوب میں بحر ہند اور مغرب میں بحر قلزم واقعہ ہیں بلحاظ وسعت اسکا رقبہ فرانس سے دوچند ہے اور اسکی قدرتی تقسیم کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ ہر ایک حصہ زمین کی آب و ہوا اور باشندگان کی عادت خصلت اور طرز معاشرت ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے۔

ملک عرب مختلف اوقات میں متعدد قوموں سے آباد ہوتا رہا جن میں سے آخری قوم بنی اسمٰعیل تھی۔ حضرت اسمٰعیل کی اولاد حجاز میں آکر سکونت پذیر ہوئی اور فی الحقیقت یہی لوگ تاریخ عرب کے ہیرو ہیں کیونکہ انھوں نے اس ملک کی عظمت و شان بنائی۔ خود حضرت اسمٰعیل نے اُس مقدس مکان کی بنا ڈالی جس کی عزت و حرمت شروع سے لیکر اب تک عرب میں برقرار رکھی گئی ہے یہاں تک کہ زمانہ جاہلیت میں بھی جو عرب میں سب سے زیادہ تاریک گذرا ہے عمارت کعبہ اور سنگ اسود کی کما حقہ تعظیم و تقدیس کی جاتی تھی۔

جن لوگوں کے عروج و زوال کا تذکرہ کرنا ہمیں مقصود ہے وہ اہل حجاز و یمن ہیں جن میں سے ایک بڑا گروہ قریش کے نام سے منسوب ہے اور جو فہر الملقب بہ قریش کی اولاد میں سے تھے یہ لوگ بلحاظ اپنی خاندانی وجاہت کے ہمیشہ معزز و ممتاز رہے پس اُن کی کیفیت یہ ہے کہ پانچویں صدی عیسوی میں ایک شخص مسمی کانئی جو فہر بن معاد بن عدنان کی نسل اور اسی سلسلہ سے حضرت اسمٰعیل کی اولاد میں سے تھے مکہ کے والی

قرار پائے بعد ازاں ان کی حکومت کل حجاز تک وسعت پکڑ گئی۔ قصی نے مکہ کو جو پہلے ایک گاؤں کی حیثیت سے زیادہ نہ تھا شہر کی صورت میں تبدیل کر دیا اور کعبہ کو از سر نو تعمیر کیا۔ قصی نے اپنی رہائش کے واسطے ایک بڑا محل تعمیر کروایا تھا جس کے ملحق ایک عمارت بطور دربار عام کے بنوائی تھی اور اس کا نام دار الندوہ رکھا تھا۔ علاوہ بریں عدلت گستری کے قواعد ترتیب دے کر عرب میں باقاعدہ امن و امان قایم کیا تھا اور حاجیان کعبہ کی خاطر بہت سی سہولتیں پیدا کیں تھیں یہ مقتدر بزرگ حاجیوں کی خوراک اور سامان رہایش کا انتظام خود کرتے اور اس کے متعلق کل اخراجات بطور ریونیو ملک عرب سے وصول کرتے تھے بدیں وجہ انکو عرب کا بادشاہ کہنا کچھ نامناسب نہیں ہے۔

سنہ ۴۸۰ء میں قصی کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے عبدالدار تخت نشین ہوئے تھوڑے دنوں کے بعد وہ بھی مر گئے تو ان کے پوتوں اور بھائی کے بیٹوں میں حکومت مکہ کی خاطر بڑا تنازعہ اور کشمکش پیدا ہوئی اس تنازعہ کا بہت سی جد و جہد کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ انتظام آب رسانی مکہ و تحصیل محصولات تو عبد شمس بن عبد المناف نے سنبھالی اور تولیت کعبہ و نظام عدلت گستری عبدالدار کے پوتوں کے ہاتھ آئی عبد الشمس نے اپنے اختیارات اپنے بھائی ہاشم کو جو مکہ کے ایک آسودہ حال سوداگر تھے تفویض کر دئے۔ حضرت ہاشم فیاضی اور مہمان نوازی کے لئے مشہور تھے ۵۱۰ء میں آپ کے انتقال کے بعد آپ کے بھائی مطلب نے آپ کا کام سنبھالا۔ لیکن وہ بھی دس سال کے بعد انتقال کر گئے اس لئے حضرت عبد المطلب جو حضرت ہاشم کے فرزند تھے آپ کے جانشین مقرر ہوئے۔

اس عرصہ میں عبدالدار کے پوتے خاصے امیر بن بیٹھے تھے اور بنی ہاشم کے عزت و جلال سے حسد کرنے لگے تھے ان لوگوں نے بڑی جد و جہد کی کہ کسی طرح تمام حکومت ان کے قبضے میں آجائے اور یہ مکہ کے بلا شرکت غیرے خود مختار بادشاہ بن بیٹھیں لیکن حضرت عبد المطلب کی ہر دلعزیزی اور محبت اہل عرب میں بہ نسبت ان لوگوں کے بہت زیادہ تھی اس لئے ان کے بغض و حسد کا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ عبدالدار کے پوتوں میں سے ایک شخص امیہ بن عبد الشمس خاص طور پر ہاشم کی اولاد سے دشمنی رکھتا تھا اور اسکی یہ دشمنی نسلاً بعد نسل جاری رہی گو امیہ نے حضرت عبد المطلب کے خلاف بڑی جد و جہد رکھی پھر بھی بنی ہاشم انسٹھ سال تک کامیابی کے ساتھ اپنے فرائض بلا کسی کی مداخلت کے ادا کرتے رہے۔

حضرت عبد المطلب کے متعدد لڑکے و لڑکیاں تھیں جن میں سے پانچ خاص طور پر تاریخ عرب میں مشہور ہیں

آپ کے فرزند اکبر حضرت ابو طالب تھے جن کے صاحبزادوں میں سے حضرت علیؑ عرب کے ایک شجاع ہیرو تھے آپ کے دوسرے صاحبزادے حضرت عباس تھے جن کی اولاد نے ایک عرصہ دراز تک عرب میں دینوی حکومت کی تیسرے صاحبزادے حضرت حمزہ تھے جنہوں نے اسلامی فتوحات میں بہت کچھ حصہ لیا آپ کے لڑکوں میں سے ایک ابولہب تھے جو دشمنی اسلام کے لئے مشہور ہیں۔
حضرت عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے صاحبزادے حضرت عبداللہ ہمارے پیغمبر آخر الزماں کے والد ماجد تھے جنہوں نے یثرب کی ایک خاتون حضرت آمنہ سے شادی کی تھی آپ شادی کے تھوڑے عرصہ بعد پچیس سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔
اسوقت عرب کی یہ حالت تھی کہ سات سو سال سے اس ملک کے باشندہ قتل و غارت کو اپنا پیشہ اختیار کئے ہوئے تھے عیش و عشرت انکا شیوہ تھا۔ رعایا کو کوئی ملکی و مالی حقوق میسر نہ تھے۔ بیچارے غریب کاشتکار و مفلس لوگ امیروں کا شکار ہوتے تھے۔ اگرچہ زراعت پیشہ لوگوں کے پاس کسی قدر زمینیں بھی تھیں لیکن اعلیٰ مالکان اراضی کو اختیار تھا کہ جسوقت چاہیں زمینیں اُنسے چھین لیں اور بیچارے کاشتکار کو بھوک سے مرنے دیں۔ غلاموں کی یہ حالت تھی کہ ہروقت اُن کے گلوں میں بھاری طوق پڑا رہتا تھا اور وہ چوپاؤں کی طرح جگہ بجگہ ہانکے جاتے تھے عام طور پر بردہ فروش غلاموں کی خرید و فروخت میں مصروف تھے اور اس انسانی ریوڑ کو ایک بڑے چابک کے ساتھ ادھر اُدھر لئے پھرتے تھے۔ مرد و عورت چیتھڑے لگائے سرو پا برہنہ دیار بدیار لیجائے جاتے تھے۔ اگر کوئی چلنے سے معذور ہو جاتا تو اُسے چابکوں سے اسقدر مار پڑتی کہ وہ بیدم ہو جاتا تھا اہل عرب بالعموم خانہ جنگی اور فتنہ و فساد میں مشغول تھے۔ انسانی خون بہانا یتیموں کا مال کھا جانا اُن لوگوں کے آگے معمولی بات تھی غرضیکہ دنیا کی کوئی بدکرداری اور بدخصلتی ایسی نہ تھی جو اُن میں موجود نہو۔
تاریخ عالم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کبھی انسانی مخلوق بدرجہ غایت انحطاط تک پہنچی ہے تو ہمیشہ باری تعالیٰ کا جوش حمیت حرکت میں آیا ہے اور پاک پروردگار نے اپنے بندوں کو تباہی سے بچانے کے لئے کوئی نہ کوئی ہادی زمین پر اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے۔ چنانچہ وہ روشنی جو کبھی کوہ سینا پر ظاہر ہوئی اور جس نے گلیلی کے ماہی گیروں کو جلادی اب فاران کی چوٹیوں پر چمکی۔
اسوقت عرب ہی چاہ ضلالت میں نہ گر گیا تھا بلکہ وحدانیت دنیا سے عام طور پر معدوم ہو چکی تھی

وہ قومیں جو اپنے آپ کو خدائے تعالیٰ کے کسی نہ کسی پیغمبر کا امت بتاتی تھیں صلیت سے کوسوں دور ہو گئی تھیں یہود و نصاریٰ اپنے نبیوں کی تعلیم کو بالکل فراموش کر چکے تھے اس لئے پاک پروردگار نے اپنی مخلوق کی آخری ہدایت کے واسطے ہمارے برگزیدہ رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو زمین پر بھیجا

یکایک ہوئی غیرت حق کو حرکت بڑھا جانب بوقبیس ابر رحمت
ادا خاک بطحا نے کی وہ ودیعت چلے آتے تھے جس کی دیتے شہادت

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیل اور نوید مسیحا {حالی}

غرضیکہ حضرت عبد اللہ کے انتقال کے چند ہی روز بعد حضرت آمنہ نے وہ بچہ جنا جس نے دنیا کی تاریکی کو روشنی سے مبدل کر دیا اور بنی نوع انسان کی نجات کا باعث ہوا حضرت محمد صلعم ۱۲ ربیع الاول مطابق ۲۹۔ اگست ۵۷۰ء کو پیدا ہوئے اور آپ کا نام حضرت عبد المطلب نے محمد (تعریف کیا گیا) رکھا۔ آنحضرت کی پیدائش کے وقت وہ علامات اور نشانات پیدا ہوئے جس سے کل قوموں کو معلوم ہو جائے کہ ایک برگزیدہ رسولؐ پیدا ہوا ہے گو اکثر نکتہ چین اور فلسفہ کے دلدادہ (خصوصاً یورپی) مورخوں کی اس تحریر پر مضحکہ کرتے ہیں لیکن ایسے علامات اور نشانات کا ظاہر ہونا تاریخی واقعات ہیں اور اُن سے کسی طرح انکار نہیں ہو سکتا۔

اہل عرب کی قدیمی رسم کے مطابق حضرت محمدؐ صلعم عالم شیرخواری میں ایک بدوی عورت کے سپرد کئے گئے جو خاندان بنی سعد میں سے تھی اور تاریخ اسلام میں بی بی حلیمہؓ کے نام سے مشہور ہیں دودھ چھوٹنے کے بعد آنحضرت نے کچھ عرصہ تک اپنی مادر مہربان کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی لیکن بدقسمتی سے ابھی آپ کی عمر چھ سال کی بھی ہوئی تھی کہ حضرت آمنہ کا انتقال ہو گیا چونکہ پدر بزرگوار پہلے ہی انتقال فرما گئے تھے اس لئے صرف چھ سال کی عمر میں آپ بالکل یتیم رہ گئے گو آپ کے دادا حضرت عبد المطلب نے کمال شفقت سے آپ کی پرورش میں کوشش کی لیکن والدین کا سایہ بسرعت جلد اُٹھ جانے سے آنحضرت کے دل پر ہمیشہ ایک خاص اثر اور صدمہ رہا۔ تین چار سال بعد آپ کے دادا نے بھی انتقال فرمایا جو اپنے بستر مرگ پر حضرت ابو طالب اپنے فرزند اکبر کو وصیت کر گئے کہ وہ

حضرت محمد صلعم کی اپنے بچوں کی طرح پرورش کریں جنھوں نے واقعی اپنی عظمت ماں باپ کی حکم کی پوری پوری تعمیل کی اور حضرت محمد صلعم کی دلجوئی اور پرورش میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا واقعی اس محبت اور الفت کی نظیر نہیں ملتی جوان چچا بھتیجوں میں تھی

حضرت محمد صلعم عالم طفولیت ہی میں اعلیٰ ذہانت اور اخلاق رکھتے تھے۔ خدا نے آپ کا پاک دل نور سے منور کر دیا تھا اور شروع ہی سے آپ انسانی تکالیف کا احساس کرتے تھے آپ نے عام بچوں کی طرح سے اپنا وقت کھیل کود میں نہیں گذارا کیونکہ آپ کو اپنے چچا کے افلاس کا حال معلوم تھا جو ایک وسیع کنبہ کی پرورش کرتے تھے اور جنھوں نے اپنے بزرگوں کی دولت و اقتدار سے بہت کم حصہ پایا تھا اس لئے آنحضرت اپنے چچا کی فکر معاش میں اکثر حصہ بٹاتے اور ان کے گلوں کی نگہبانی کیا کرتے تھے۔ کیونکہ اسوقت بنی ہاشم روپیہ کی کمی کی وجہ سے خستہ حال تھے اور حاجیوں کی خوراک کا منصب بنی امیہ کے ہاتھ میں چلا گیا تھا۔ ان ہی دنوں میں وہ خانہ جنگیاں عرب میں شروع ہوئیں جو غزوۃ الفجر کے نام سے مشہور ہیں اور سالہا سال تک جاری رہیں جن کی وجہ سے ہزارہا مخلوق انسانی کا خون بہا اور ملک میں بڑی تباہی پیدا ہوئی یہ کشت و خون اس واقعہ کا بدیہی ثبوت تھا کہ آنحضرت کی بعثت سے قبل عرب کس قدر چاہ ضلالت میں ڈوبا ہوا تھا

حضرت محمد صلعم ابھی پورے جوان بھی نہیں ہوئے تھے کہ آپکو خانہ جنگیوں کے دیکھنے کا اتفاق ہوا جو عکاظ کے میلوں پر اکثر فتنہ و فساد کے باعث باہم قریش میں ہوئیں اہل مکہ کی ان بد چلنیوں نے آنحضرت کے دل پر ایک خاص اثر کیا اتفاقاً انھی دنوں میں آپ کو اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ شام کا سفر پیش آیا وہاں آپ کو مکہ سے بھی زیادہ مذہبی انحطاط اور شرمناک رسومات کا ملاحظہ کرنا پڑا غرضیکہ ان سب واقعات سے آپ اسقدر متاثر ہوئے کہ شب و روز آپ کسی خیال میں مستغرق رہنے لگے

پچیس سال کی عمر میں حضرت محمد صلعم نے مکہ کی ایک دولتمند خاتون حضرت خدیجہ کی ملازمت میں دوبارہ شام کا سفر کیا اور جس دیانت داری و مستعدی سے آنحضرت نے اپنے فرائض ادا کئے اُن سے وہ نیک خاتون اسقدر احسان مند ہوئی کہ آپ سے شادی کا ارادہ کر لیا۔ چونکہ حضرت خدیجہ رشتہ میں بھی آپ سے کچھ بعید نہ تھیں اس لئے جلد نکاح ہو گیا اور آنحضرت کی یہ شادی عام لوگوں میں بڑی خوشی و خرمی کے ساتھ منائی گئی۔

باوجود اس کے کہ حضرت خدیجہ سن و سال میں آپ سے بڑی بھیں تاہم رشتہ محبت و الفت بہت زیادہ مستحکم تھا اس شادی کے بعد آپ بہت کچھ فکر معاش سے سبکدوش ہوگئے اور اب آپکو اُس کام کی طیاری کا زیادہ موقعہ ملنے لگا جس کے لئے آپ مبعوث ہوئے تھے حضرت خدیجہ سے شادی کرنے کے بعد آپ کو سب سے بڑی امداد یہ ملی کہ ایک محبت کرنیوالا ہمدرد رفیق آپ کو ملگیا جس نے سب سے پہلے آپ کی مشن کو تسلیم کیا اور ہمیشہ آپ کی پریشانی میں ساتھ دیا اُسوقت جبکہ کوئی آپ کی نبوت کا قائل نہ تھا حضرت خدیجہ نے آپ کو تسلی دے کر آپ کی رسالت کی شہادت دی تھی۔

یوروپین مورخوں کے اس بیان کی کہ اسلام میں عورتوں کی قدر و منزلت نہیں اس سے بخوبی تردید ہوسکتی ہے کہ حضرت خدیجہ اور آپ کی صاحبزادی حضرت خاتون جنت کی جو عظمت و حرمت کل اہل اسلام کے دلوں میں ہے اُس کی نظیر دیگر مذاہب کے مقلدوں میں نہیں ملتی۔

حضرت خدیجہ کے بطن سے کئی فرزند نرینہ آنحضرت کے پیدا ہوئے۔ لیکن بدقسمتی سے کوئی زندہ نہ رہا یہی وجہ ہے کہ اہل قریش طنزاً آپ کو الا ابتر کہا کرتے تھے لیکن آپ نے کبھی اُسکا خاص احساس نہ کیا اور اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کو ہمیشہ بیٹوں سے بھی زیادہ عزیز رکھا۔ آنحضرت نے شادی کے بعد متواتر پندرہ سال دنیاوی مخمصوں سے پرہیز رکھا اور سوائے اُن معاملات کے جو اہل قریش آپ کے پاس بغرض تصفیہ لاتے آپ نے کسی سے واسطہ نہ رکھا ان دنوں میں آنحضرت کا وقت زیادہ تر مراقبہ اور روحانی طیاری میں صرف ہوتا رہا۔

حضرت ابوطالب کے احسانات آنحضرت پر بہت سے تھے اس لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ و الہ وسلم نے اپنی آسودہ حالی کے زمانہ میں بزرگ چچا کی کچھ خدمت کرنی چاہی چونکہ حضرت ابوطالب کی مالی حالت اچھی نہ تھی اور آپ کا کنبہ زیادہ تھا بدیں وجہ حضرت محمد صلعم نے یہ تجویز کی کہ آپ کے فرزند حضرت علیؑ کی تعلیم و پرورش کا خود ذمہ اُٹھایا اور آپ کے دوسرے صاحبزادے جعفر کو حضرت عباس اپنے دوسرے چچا کو جو خاصے مرفہ الحال تھے سپرد کیا۔ حضرت ابوطالب کے سب سے چھوٹے صاحبزادے عاقل آپ کے ہمراہ رہے اور اسطرح حضرت ابوطالب کسیقدر کنبہ کے بوجھ سے سبکدوش ہوگئے

جب سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ و الہ وسلم نے حضرت علی کو اپنی فرزندی میں لیا آپ اپنے لڑکوں کے صدمات کو بھول گئے اور حضرت علی کو مثل اپنے فرزند کے پرورش کرتے رہے آپ کو حضرت علیؑ سے

اسقدر اُنس و محبت تھی جس کی کوئی حد نہیں غرضکہ حضرت علیؓ آپ کی خوشی اور اطمینان کا باعث تھے آنحضرت نے رشتہ فرزندی کو زیادہ قریب تر بنانے کے لئے اپنی پیاری صاحبزادی حضرت خاتون جنت کی شادی بعداز اں حضرت علی سے کردی جن کے بطن سے ہمکو روحانی رہبروں کا وہ سلسلہ یکے بعد دیگرے ملتا رہا جس سے خدائے تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہوتا ہے کہ "ہم زمین پر اپنے اوصاف و جلال قایم رکھنے کے لئے اپنے برحق اور امام ہمیشہ بھیجتے ہیں" اسیوجہ سے ہم اپنے نبی آخرالزماں کے خاندان کے آخری برحق امام حضرت صاحب الامرؑ کو زندہ مانتے اور تسلیم کرتے ہیں کہ ایک خاص وقت ضرورت پر بنی نوع انسان کی روحانی مدد فرمائینگے

۲ نبوّت

حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کامل پندرہ سال اعلیٰ درجہ کی روحانی ریاضت مراقبہ اور گہری سوچ میں صرف کئے اس تمام عرصہ میں آنحضرت اپنے آپ کو ایک اہم منصب کے لئے طیار کرتے رہے چونکہ وہ آزمایش کا زمانہ پورا ہوگیا تھا اور آنحضرت کا قلب شدت وحی کو ضبط کرنے کے قابل تھا نیز آپ شروع ہی سے خدائے تعالیٰ کی آخری مشن کے لئے نامزد ہوچکے تھے اس لئے وقت آگیا تھا کہ آنحضرت اپنا فرض ادا کریں۔ یکایک ایک رات جبکہ آپ غار حرا میں مصروف عبادت تھے آپ کو ایک قسم کی بیہوشی طاری ہوئی اور سمندر کی لہر کی مثل آپ کو ایک ہلکی لیکن صاف آواز سنائی دی کہ "اے ہمارے پیغمبر اُٹھ اور ہمارے نام سے ہماری مخلوق کو ہدایت کر" اس قسم کی متواتر آوازیں آنحضرت کو سنائی دیں اور آپ چونک پڑے وحی کا ہر ایک لفظ آنحضرت کے سینہ پر کندہ تھا آپ کا دل مثل بید کے لرزنے لگا حالت استعجاب میں آپ اپنی عزیز بیوی حضرت خدیجہ کے پاس آئے اور تھکاوٹ سے پلنگ پر لیٹ گئے حضرت خدیجہ نے آپ کی حالت دیکھ کر فرمایا "یا ابو القاسم آپ کی کیسی طبیعت ہے" آنحضرت نے سارا ماجرا دہرایا جسپر حضرت خدیجہ نے فرط مسرت سے کہا "قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یا محمد خوش ہو کہ آپ خدائے تعالےٰ کے برحق پیغمبر ہو" - یہ کہکر حضرت خدیجہ دوڑتی ہوئی اپنے بھائی ورقہ ابن نوفل کے پاس آئیں جو آنکھوں سے نابینا اور انجیل و توریت کے اچھے عالم تھے آپ نے ساری کیفیت اُن کو سنائی ورقہ نے جواب دیا "قدسًا قدسًا اے خدیجہ تیرا شوہر یقیناً خدا کا سچا رسول ہے اُسکو کہ اپنے دل کو ضبط کرے اور اس فرض کو ادا کرے جس کی طرف خدائے تعالےٰ اُسے بلاتا ہے"

حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے خدا تعالےٰ کی مقدس مشن کی منادی کرنا اپنا فرض سمجھا اور بنی نوع

انسان کو یہ دل ہلا دینے والا پیغام پہنچایا کہ "اے فنا ہو جانے والی مخلوق اُس اعلیٰ و برتر طاقت کے
عدل و قہر سے ڈرو جو ساری ارض و سما کا خالق ہے جسکا اشارہ کون و مکاں کو تہ و بالا کر دینے کے لئے
کافی ہے اُسکی وحدانیت کا اقرار کرو اور اُسکے اوصاف اختیار کرو" اس موثر آواز نے ستم رسیدہ دلوں پر
آب حیات کا کام کیا اور ظالموں کے چھکے چھوڑا دیئے حتیٰ کہ زمانہ میں انقلاب عظیم پیدا ہو گیا

جب حضرت سرور کائنات خلاصۂ موجودات نبی آخر الزماں نے اپنا فرض رسالت شروع کیا اور شریعت
پروردگار کی تلقین کرنی چاہی تو عرب اپنی قدیمی خباثت کی وجہ سے آنحضرت کی دشمنی اور عناد پر آمادہ
ہو گیا اس لئے رسول برحق نے پاک دین کے پھیلانے میں کمال دوراندیشی سے کام لیا اور سب سے پہلے
اُن پاک نفوس کو دین اسلام کی تلقین کی جو اُسکی صلاحیت رکھتے تھے

حضرت علیؑ اور حضرت خدیجہ نے شروع ہی میں حضرت محمد صلعم کی رسالت کو تسلیم کیا اور خدا تعالیٰ کی
وحدانیت پر ایمان لائے۔ بارہا جناب رسولخدا بہمراہی حضرت خدیجہ و حضرت علیؑ کے نواح مکہ کے
گھنے جنگلوں میں مصروف عبادت دیکھے گئے ہیں ایک دفعہ جب رسولخدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نماز میں
مشغول تھے حضرت ابو طالب اُس طرف آنکلے اور اپنے بھتیجے کی حرکات نماز کو دیکھ کر نہایت متعجب ہوئے
آپ نے بڑی حیرت سے پوچھا "اے میرے بھائی کے فرزند یہ کیا مذہب ہے جس کی آپ نے پیروی اختیار کی
ہے" رسول اللہ نے جواب دیا "تحقیق یہ اللہ فرشتوں پیغمبروں اور ہمارے جد حضرت ابراہیم کا مذہب ہے
باری تعالیٰ نے مجھے ہدایت کی ہے کہ میں اُسکے بندوں کو سچائی کا راستہ دکھلاؤں اور اے میرے چچا
آپ اُن میں سب سے زیادہ صاحب عقل و دانش ہیں اس لئے میری التجا ہے کہ آپ اس مذہب کو قبول کریں
اور مجھے اُس کے وسعت دینے میں امداد دیں حضرت ابو طالب نے اعلیٰ درجہ کی بزرگانہ محبت سے فرمایا "اے میرے
عزیز بھتیجے تم اپنا کام کئے جاؤ جب تک میں زندہ ہوں تمہیں کوئی گزند نہ پہنچا سکیگا" اس کے بعد آپ نے اپنے
جوانمرد فرزند حضرت علیؑ کی طرف مخاطب ہو کر دریافت کیا "یا علیؑ تمہارا کیا مذہب ہے" حضرت علیؑ نے بڑھ کر فرمایا
"ابا جان میں سچے دل سے خدائے برحق اور اُس کے پاک رسول پر ایمان لایا ہوں" بزرگ باپ نے نہایت
شفقت بھرے لفظوں میں کہا "اے میرے عزیز فرزند میں تمکو قبول اسلام سے نہیں روکتا جو نیکی کا
راستہ ہو اُسے اختیار کرو"

حضرت ابو طالب کی اس دلجوئی سے بانئ اسلام کو بڑی ڈھارس ہوئی اور آنحضرت نے الٰہی مشن

کو وسعت دینی شروع کی تھوڑے ہی عرصہ میں زیدؓ ایک آزاد شدہ غلام اور قریش میں سے حضرت ابوبکر۔ تام بن مرہ۔ حضرت عثمان بن عفان۔ رحمان بن عوف۔ سعد بن ابی وقص۔ زبیر بن عوان متعدد اصحابی نے اسلام قبول کیا۔

اب وقت آگیا تھا کہ جناب سرور کائنات عام طور پر قریش کو دعوت اسلام دیں چنانچہ اس غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کوہ صفا پر جملہ قریش کو جمع کرکے کمال فصاحت و بلاغت سے تقریر فرمائی کہ یہا الناس ان قوموں کے انجام پر غور کرو جنھوں نے پچھلے نبیوں کے کلام کی تحقیر کی دیکھو وہ کس طرح برباد ہوگئی۔ اب آخری دفعہ خدائے تعالےٰ کا حکم سنو۔ فانی چیزوں کی پرستش سے باز آؤ اور صرف ایک وحد خدا کی عبودیت اختیار کرو۔ نیکی اور سچائی اعلیٰ جوہر ہیں انھیں میں تمھاری نجات ہے اللہ تعالےٰ نے مجھے ہدایت کی ہے کہ میں تمہیں اُس کی قربت کی طرف دعوت دوں تم میں سے کون ہے جو اس پاک کام میں میرا شریک ہو اور میرا بھائی اور جانشین بنے جملہ حاضرین پر ایک خاموشی کا عالم طاری ہوگیا لیکن حضرت علی جو اُن میں سب سے خورد سال تھے بڑی دلیری اور سرگرمی سے کھڑے ہوئے اور کمال مستعدی سے فرمایا اے خدا کے رسول میں آپ کا ساتھ دوں گا" حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رشید شاگرد بھائی اور فرزند کی اس دلیرانہ جرأت سے نہایت مسرور ہوئے اور آپ نے حضرت علیؑ کو گلے لگا کر کہا لوگو دیکھو میرا بھائی میرا جانشین اور میرا نائب یہ ہے اس کی بات سُنو اور اسکی حکم کی تعمیل کروؑ

قریش نے بانئ اسلام کی تمام تقریر کو مضحکہ آمیز نفرت سے سنا اور حضرت علیؑ کی سرگرمی پر قہقہہ لگا کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ لیکن پیغمبر خدا قریش کی اس بیہودہ حرکت سے مایوس نہیں ہوئے گو آپ کو ان کے نامعقول برتاوے سے سخت رنج ہو لیکن آپ اُن کی حیثیت باطنی سے بخوبی واقف تھے اس لئے سردست انھیں زیادہ کہنا مناسب نہ سمجھا اور خدا کا پیغام صرف اُن لوگوں کو سنانا شروع کیا جو تجارت اور حج کی غرض سے مکہ میں آتے جاتے تھے لیکن قریش کو یہ بھی ناگوار گذرا اور اُنھوں نے طرح طرح کی رخنہ اندازیاں شروع کیں۔ شہر مکہ کے چاروں طرف خفیہ لوگ چھوڑے جو حاجیوں کو آنحضرت کے پاس آنے سے

لہ یہ نوجوان عرب مکہ میں اپنے دشمنوں کے ہاتھ گرفتار ہو کر لایا گیا اور حضرت خدیجہ کے ایک بھتیجے کے قبضہ میں آیا جس نے حضرت خدیجہ کو یہ غلام بطور تحفہ کے پیش کیا آنحضرت نے اس غلام کو اپنی بیوی سے مانگ کر آزاد کر دیا۔ اور عرب میں بہترین لیظر قائم کی اس احسان کا زید پر ایسا اثر ہوا کہ باوجود آزاد ہو جانے کے وہ ساری عمر آنحضرت کی خدمت میں رہا دیکھو گلبن صاحب کی تاریخ سا[illegible] صفحہ ۸۳

روکتے تھے اور بانیٔ اسلام کو معاذ اللہ ساحر بتاتے تھے سعی عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد۔ قریش کی اس نامعقول جدوجہد نے جناب سرور کائنات کی شہرت کو دو چند کر دیا اور اُن لوگوں نے جو حج سے واپس اپنے اپنے وطن میں گئے تو یہ مشہور کیا کہ مکہ میں ایک ایسا برگزیدہ انسان پیدا ہوا ہے جو باوجود جان کے خطرے کے بڑے شدّومد سے اہل عرب کو نئے دین کی دعوت دیتا ہے اور انھیں اپنے باپ دادا کا مذہب چھوڑنے کی ہدایت کرتا ہے۔

قریش کا یہ منشا تھا کہ حضرت سرور کائنات سے اُن کے عزیز و اقربا علیحدگی اختیار کریں لیکن حضرت ابوطالب نے اپنے عزیز بھتیجے کا ساتھ نہ چھوڑا بلکہ قریش کو یہ دھمکی دی کہ اگر انھوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو بنی نوع انسان کے محسن اور کمزوروں کے مددگار ہیں کوئی بھی ناجائز تکلیف دی تو وہ یاد رکھیں کہ تمام بنی ہاشم اور عبد المطلب اُس معصوم جان کی حفاظت کریں گے اور قریش سے فرار واقعی انتقام لینگے۔ انھیں دنوں میں یثرب کے ایک بڑے سردار نے بانیٔ اسلام کی تعریف و توصیف سنکر قریش کو یہ پیغام کہلا بھیجا کہ وہ ہرگز بیہودہ خانہ جنگی اور فساد میں نہ پڑیں اور بانیٔ اسلام کی تعلیم کو غور سے سنیں اگر ایک معقول شخص نے اپنے مذہب میں تبدیلی کر لی ہے تو انھیں مخالفت کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ دلوں کا حال جاننے والی کوئی اور بڑی طاقت ہے گو قریش آنحضرت کے درپئے آزار تھے لیکن حضرت ابوطالب کی حمایت اور سردار یثرب کی مشورہ کی وجہ سے کچھ دنوں کے لئے اپنے ارادوں سے باز آئے مگر درپردہ آنحضرت کی ایذارسانی کی تدبیریں سوچنے لگے۔

اور کچھ نہ ہوا تو قریش نے حضرت محمد صلعم کا خانہ کعبہ میں آنا جانا بند کر دیا اور آپ کے ساتھ کمال بدزبانی سے پیش آنے لگے جب آنجناب نماز میں مشغول ہوتے تو کوڑا کرکٹ آنحضرت پر پھینکدیتے۔ باوجود ان بدعنوانیوں کے جو قریش آپ کے ساتھ کرتے آنحضرت دل برداشتہ نہوئے اور بکمال قوت ارادی سے الٰہی مشن پر مستعد رہے گو قریش سے بانیٔ اسلام کو اپنی جان کا خطرہ تھا۔ لیکن آنحضرت نے اس کی کچھ پروا نہ کی اور جس قدر وہ ایذا پہنچاتے آپ کا ارادہ مستحکم ہوتا جاتا تھا ان دنوں حسن اتفاق سے حضرت حمزہ جیسے شجاع و دلیر شخص نے اسلام کی حمایت پر کمر باندھی جس سے آنحضرت کو بڑی مدد ملی ان بزرگ نے اسلام کی آگے چلکر بڑی خدمت کی۔

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب و روز خدا کا پاک کلام سناتے اور نہایت وضاحت

سے نجات کا طریقہ بتلاتے تھے۔ آنحضرت نے لوگوں کو آنے والے عذاب سے ڈرایا اور ہدایت کی کہ اس دن سے ڈرو جب تمہارے گناہوں کا وزن ہوگا وہ معصوم بچے جنھیں تم نے زندہ دفن کیا ہے پھر زندہ ہو کر تمہارے گلوگیر ہونگے۔ زمین و آسمان سب طے ہو جائیں گے سوائے خالق برحق کے کوئی تمہاری حمایت نہ کرسکے گا پھر آنحضرت نے جزا و سزا کا ذکر فرمایا جنت کی خوشی اور دوزخ کی ابدی تکلیف کا حال سنایا اسی زمانہ کا واقعہ ہے کہ آپ ایک روز کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور اپنی قوم کے لوگوں کو باآواز بلند نام بنام پکارا جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے سوال کیا اے آل غالب اگر میں تمکو اس بات کی خبر دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک غنیم کی فوج پڑی ہوئی ہے اور موقع پاکر صبح شام تم پر چھاپہ مارنا چاہتی ہے تو تم یقین کروگے سب نے جواب دیا کیوں نہ یقین کریں گے ہم نے آج تک آپ کا کوئی قول غلط نہیں سنا اسوقت آپ نے نہایت ہمدردی سے فرمایا "اگر تمکو میری بات کا پورا یقین ہے تو میں تمکو اس عذاب شدید سے جو پیش آنے والا ہے ڈراتا ہوں اگر خدائے واحد پر ایمان لاوگے تو نجات پاؤگے ورنہ تباہ و برباد ہو جاؤگے"

بانی اسلام کی تعلیم نے قریش کے دل ہلا دئے اور ایک نمایاں انقلاب پیدا ہو گیا۔ اسلام آہستہ آہستہ ترقی کرنے لگا جس سے قریش کو سخت فکر دامنگیر ہوا اُن کا تمام رعب و داب خطرہ میں تھا اور اُن کے خیالات منتشر ہو گئے تھے اس لئے انھوں نے مسلمانوں کو تکلیف دینے کا مصمم ارادہ کر لیا اور سب نے اس تجویز پر اتفاق کیا کہ ہر شخص جہاں تک اُس سے ہوسکیگا اسلام کے مٹانے میں کوشش کرے گا جو مسلمان ذی جاہ اور سربرآوردہ تھے اُن پر تو بس نہ چلا غریب مفلس اور بیکس مسلمان گرفتار بلا ہوئے وہ قیدخانوں میں پھینکے گئے۔ تازیانوں کی مار پڑی۔ انھیں جلتی ریت پر لٹایا گیا اور طرح طرح عقوبتوں کا خوفناک منظر بن گیا جو طریقے قریش نے عقوبتوں کے استعمال کئے وہ اُن سے کم نہ تھے جو رومن کیتھلک عیسائیوں نے یہود سے برتے تھے۔ عمار کی والدہ محترمہ سمیہ کو ابوجہل نے دو اونٹوں کے درمیان باندھ کر ایک ایسا حربہ زیر ناف مارا کہ جسکے صدمہ سے وہ جاں بحق ہو گئیں اور اس کے والد یاسر کو سخت عذاب سے شہید کیا عمار کو خود کبھی جلتی ہوئی ریت پر پھینکا گیا اور کبھی پانی میں غوطہ دیا گیا اسی طرح صہیب اور ابوفکیہ کو طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں۔ عورتوں میں لبینہ۔ زنیرہ نھدیہ اور ام عبیس کی مصیبت نہایت درجہ افسوسناک تھی یہ بیکس عورتیں لونڈیاں تھیں اُن کے آقا اُن کو نہایت زد و کوب کرتے تھے اور ان

کا تو ذکر کیا خود حضرت عمرؓ نے اسلام لانے سے پہلے اپنی لونڈی لبینہ کو اسقدر مارا جس کی کوئی حد نہیں
آپ اس بیکس عورت کو اُسوقت چھوڑتے جب آپ تھک جاتے تھے اور فرماتے تھے میں نے تجھے چھوڑا
نہیں ہے بلکہ تھک کر بیٹھ گیا ہوں زنیرہ کو ابوجہل نے اسقدر تکلیف دی کہ وہ اندھی ہوگئی باوجود
ان تمام عقوبتوں کے پیروان محمدؐ نے ہمت نہ ہاری اور اپنے مذہب کو ترک نہ کیا۔ کیا ایسی مثالیں
اور نبیوں کے شاگردوں میں ملسکتی ہیں ہرگز نہیں یہ صرف آنحضرتؐ کی تعلیم تھی جس نے لوگوں کے دلوں
کو اسقدر مسخر کر لیا تھا کہ جسکو ترک کرنا آسان نہ تھا۔

قریش روز بروز برافروختہ ہوتے جاتے تھے اور ہاشمی اسلام کی دلیرانہ جرأت سے مجبور ہو گئے تھے جب
اُن کا سختی سے کام نہ چلا تو نرمی سے کام لینا چاہا جس طرح فریسیوں نے حضرت عیسٰیؑ کو رشوت دینی چاہی
تھی اسی طرح قریش نے بھی آنحضرتؐ کو دنیاوی وجاہت کا لالچ دینا چاہا۔ ایکدفعہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم خانہ کعبہ میں تھے کہ ایک گروہ قریش کا آپکے پاس آیا جن کا سرگروہ عتبہ بن ربیعہ تھا
جس نے غیر معمولی نرمی سے آنحضرتؐ کی طرف خطاب کرکے عرض کی کہ اے میرے چچا کے بیٹے آپ اپنے
حسب و نسب کی وجہ سے معزز و ممتاز ہو آپ نے ہماری قوم میں پھوٹ کا بیج بو دیا اور قبیلوں میں
نااتفاقی ڈال دی۔ آپ ہمارے آبا و اجداد کے دین و مذہب کی مذمت کرتے ہیں اس لئے ہماری آپ
سے ایک التجا ہے اگر آپ اس کام سے دولت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اسقدر دولت دیں گے
کہ آپ امیر کبیر بن جائیں گے اگر آپ کو جاہ و جلال کی ضرورت ہے تو ہم آپ کو اپنا سردار مقرر
کر دیتے ہیں اگر آپ کو زمین کی ضرورت ہے تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ تسلیم کرنے کیلئے طیار ہیں اور اگر
(معاذ اللہ) آپ پر کوئی جن سوار ہے تو اس کے اتارنے کی ہم تدبیر کرتے ہیں" جب عتبہ اپنی لغو تقریر
ختم کر چکا تو آنحضرتؐ نے فرمایا" اے ابو الولید جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا اب میری بات سن یہ فرما کر
آپ نے قرآن شریف کی مفصلہ ذیل آیات تلاوت فرمائیں" خدا کی رحمت کے نام سے شروع کرتا
ہوں جو رحمٰن و رحیم ہے یہ قرآن ایک کتاب ہے جس کی آیتوں کو عربی میں تفصیل کیا گیا ہے
تاکہ بخوبی سمجھ میں آسکے اس میں ان لوگوں کو خوشخبری دیجاتی ہے جو خدا پر ایمان لاتے ہیں اور
منکروں کو عذاب الٰہی سے ڈرایا جاتا ہے باوجود اس تفصیل کے اہل مکہ میں سے اکثروں نے
انکار کیا ہے اور وہ قرآن کو نہیں سنتے اور کہتے ہیں کہ ہم اُن باتوں کو جنکی قرآن میں تفصیل کی گئی ہے

ماننے کے لئے آمادہ نہیں ہیں ہمارے کان ان باتوں کو سنا نہیں چاہتے پس تم اپنا کام کرو ہم اپنا کام کریں۔ اے پیغمبران سے کہدے تو بھی ان جیسا انسان ہے مگر تجھ پر وحی آتی ہے تمہارا معبود صرف ایک خدا ہے پس سیدھے اس کی طرف جاؤ اور اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو"

الغرض جب آنحضرت نے عتبہ کی باتوں پر توجہ نہ کی اور مشرکوں کو مایوسی ہوگئی تو وہ پہلے سے بھی زیادہ مسلمانوں کو ستانے اور دکھ دینے لگے اندیشہ تھا کہ اگر یہی حال رہا تو سب مسلمان مشرکوں کے ظلم وستم کی بھینٹ چڑھ جائیں گے آنحضرت سے یہ دردناک حالت دیکھی نہ گئی آپ نے ستم رسیدہ مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ لوگ کچھ عرصہ کے واسطے ملک حبش میں جا رہیں جہاں کا عیسائی بادشاہ نیک نہاد اور خدا ترس تھا چنانچہ پندرہ آدمیوں نے نجاشی حبش کے ملک میں جا کر پناہ لی یہ تاریخ اسلام میں پہلی ہجرت تھی

ان پندرہ مسلمانوں کے بعد رفتہ رفتہ اور مسلمانوں نے بھی ہجرت کی یہاں تک کہ اُن کی تعداد ایک سو ایک کے قریب ہوگئی جس میں اٹھارہ عورتیں تھیں قریش اُن مسلمانوں کی ہجرت سے زیادہ غیظ و غضب میں آئے اور انھوں نے ایک ڈپوٹیشن شاہ نجاشی کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ وہ ان مہاجرین کو حبش سے واپس لے آویں تاکہ انھیں سزائے موت دیجائے اس ڈپوٹیشن نے شاہ کے پاس جا کر بہت کچھ طومار باندھا اور استدعا کی کہ وہ اُن لوگوں کو اُن کے سپرد کردے شاہ نجاشی نے اُس ڈپوٹیشن کی درخواست پر جملہ مہاجرین کو اپنے پاس طلب کرکے دریافت کیا کہ اُنھوں نے اپنا مذہب کس لئے ترک کیا اور بجائے اس کے کہ مذہب عیسوی اختیار کرتے ایک نیا مذہب کیوں اختیار کیا ہے جب بیچارے مسلمان شاہ نجاشی کے روبرو پیش ہوئے تو حضرت جعفر ابن ابو طالب جو حضرت علیؓ کے بھائی تھے جواب دہی کے لئے نامزد ہوئے آپ نے اس فصاحت و بلاغت سے جو آپ کے خاندان کا حصہ ہے ایک موثر تقریر فرمائی جسکو سنکر بقول مسٹر باسورتھ سمتھ بادشاہ اور تمام پادری جو موجود تھے زار زار رونے لگے وہ تقریر یہ ہے کہ اے بادشاہ ہم ایک جاہل قوم تھے بُت پوجتے تھے اور مردار کھاتے تھے۔ بے حیائی کے کام کرتے تھے۔ پڑوسیوں کے ساتھ بُرائی سے پیش آتے تھے ہماری یہ حالت تھی کہ خدا نے ہمارے پاس اپنا پیغمبر بھیجا جس کی شرافت نسبی۔ راست بازی اور

لہ دیکھو کتاب محمدؐ اینڈ محمڈنزم مطبوعہ لندن و نیویارک ۱۲

ایسا نداری اور پاک دامنی سے ہم بخوبی واقف تھے اُسنے ہمکو خدا کی طرف بلایا تاکہ ہم اُسکو جانیں اور اُس کی عبادت کریں۔ جن پتھروں اور بتوں کی عبادت ہم اور ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے اُن کی پرستش چھوڑ دیں اس نے حکم دیا کہ ہم صرف خدا کی عبادت کریں اور اُس کی ذات و صفات میں کسی کو شریک نہ بنائیں۔ ہم کو نماز زکواۃ اور روزہ کا حکم دیا اس کے بعد اسلام کے ہر ایک حکم کی تفصیل کی اُسنے ہمکو سچ بولنے امانت دار ہونے۔ رشتہ داروں کے ساتھ رعایت و مروت کرنے۔ ہمسایوں کے ساتھ نیکی کرنے اور خون ریزی سے بچنے کا حکم دیا۔ ہم کو بدکاریوں۔ جھوٹ بولنے۔ یتیموں کا مال کھانے پاک دامن عورتوں کو تہمت لگانے سے منع کیا۔ پس ہمنے اُس رسول کو سچا جانا جو احکام اُس نے خدائے تعالی کی طرف سے پہنچائے ہمنے اُن کی پیروی کی ہمنے صرف ایک خدا کی عبادت اختیار کی اور کسیکو اُسکا شریک نہیں کہتے جو چیز خدا نے ہمپر حرام کردی ہے اس کو حرام اور جو چیز حلال کردی ہے اُسکو حلال جانتے ہیں اس بات پر قوم ہماری دشمن ہوگئی ہے اُس نے ہمکو سخت تکلیفیں دیں ہمکو ہمارے دین سے ہٹانا چاہا تاکہ ہم خدا تعالی کو چھوڑکر پھر بتوں کو پوجنے لگیں اور جن بُری باتوں کو ہم پہلے حلال سمجھتے تھے اب پھر اُن کو حلال سمجھنے لگیں جب اُن لوگوں نے ہمپر ظلم و ستم کئے اور ہمکو تنگ کیا ہمارے دین میں مزاحم ہوئے تو ہم ترک وطن کرکے تیرے ملک میں چلے آئے۔ تجھ کو اور بادشاہوں سے بہتر سمجھ کر آئے ہیں اے بادشاہ ہم کو امید ہے کہ تیرے سامنے ہمپر ظلم نہوگا" شاہ نجاش حضرت جعفر کی اس پاکیزہ اور معقول تقریر سے نہایت متاثر ہوا اور اُس نے ڈپوٹیشن کو نہایت بے عزتی سے نکلوا دیا۔

جن دنوں پیروان رسول اللہ ملک حبش میں پناہ ڈھونڈ رہے تھے حضرت محمد صلعم بھی اپنے دشمنوں سے محفوظ نہ تھے جو آنحضرت کو طرح طرح کی تکلیفیں دے رہے تھے جنہیں آپ بڑی ہمت و استقلال کے ساتھ برداشت کر رہے تھے۔ اہالیان مکہ نے کئی دفعہ حضرت ابو طالب کو کہلا بھیجا کہ آنحضرت اپنے بھتیجے کو اُن کے خلاف وعظ کرنے سے روکیں لیکن ہر بار حضرت ابو طالب نے قریش کو ٹال دیا مجبور ہوکر ایک دفعہ جملہ قریش وفد کی صورت میں حضرت ابو طالب کے پاس اکھٹے ہوئے اور کہا کہ اے ابو طالب ہم سب آپ کی اس لئے عزت کرتے ہیں کہ آپ ہمارے سردار قوم اور پیرانہ سالی کی وجہ سے قابل تعظیم ہیں مگر اس لحاظ کی ایک حد ہے ہم آپ کے بھتیجے کے ہاتھوں تنگ آگئے ہیں وہ ہمارے بتوں کو بُرا بھلا کہتا ہے اور ہمارے آبا و اجداد کے افعال پر نفرین کرتا ہے یا تو آپ اُسے سمجھا کر ان باتوں سے باز رکھیں ورنہ آپ بھی اُسی کا مذہب اختیار کریں اور ہمسے

لڑائی کریں حتیٰ کہ دو فریق میں سے ایک رہ جائے قریش کی اس تقریر کا حضرت ابو طالب نے کچھ جواب ندیا اور قریش اٹھ کر چلے گئے۔ حضرت ابو طالب نہایت کشمکش و پیچ میں تھے نہ وہ اپنی قوم سے علیحدگی اختیار کر سکتے تھے اور نہ اپنے عزیز بھتیجے کو مشرکوں کی سپرد کرتے تھے آخر کار بہت سوچنے کے بعد آنحضرت نے بانی اسلام کو بلوایا اور قریش کی تقریر کا لب لباب سنا کر نہایت دلسوزی اور ہمدردی سے حضرت محمد صلعم کو عظیم خطرہ سے محفوظ رہنے کی بزرگانہ نصیحت کی جناب سرور کائنات کو خیال گذرا کہ اب چچا میری حمایت سے دست بردار ہونا چاہتے ہیں اس لئے آپ کو سخت صدمہ ہوا لیکن بڑی ثابت قدمی سے آپ نے فرمایا یا عم اگر قریش میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند لا کر رکھدیں اور مجھے مجبور کریں کہ میں خدائے تعالےٰ کے حکم سے باز آؤں تو وہ یاد رکھیں کہ ہرگز ایسا نہ ہوگا یا خدائے تعالےٰ اپنے کام کو مکمل کرے گا یا اس کوشش میں میری جان جائیگی

س دست از طلب ندارم تا کام من برآید + یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن برآید

یہ فرماکر بانی اسلام اپنے بزرگ چچا سے کسی قدر آزردہ ہو کر چلنے لگے جبپر حضرت ابو طالب نے آپ کو روکا اور پکار کر کہا کہ عزیز برادر میں ہرگز تمکو تمہارے کام سے نہیں روکتا تم خدائے برحق کا دین پھیلاؤ جبتک میری جان میں جان ہے میں تمھاری حمایت سے کبھی دست بردار نہ ہوں گا۔"

حضرت ابو طالب نے نہ صرف خود بانی اسلام کی مستقل حمایت کا ارادہ کر لیا بلکہ حمایہ بنی ہاشم اور عبد المطلب کو آمادہ کیا کہ وہ اپنے فخر خاندان کو دوسرے رقیب خاندانوں کی دشمنی اور عناد سے بچاویں جسکا اثر یہ ہوا کہ سوائے جہل مرکب ابوجہل و ابولہب کے تمام خاندان بنی ہاشم و عبد المطلب آنحضرت کے موئید و مددگار ہو گئے اس اثنا میں حضرت عمر ابن خطاب جو ابتک اسلام کے سخت مخالف اور بانی اسلام کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی دشمنی رکھتے تھے اور مسلمانوں کو ایذا پہنچانے میں ایسے ہی سخت گیر تھے جیسا سینٹ پال عیسائی ہونے سے پہلے یکایک مسلمان ہو گئے۔

باوجود مشرکین عرب کی مزاحمت کے اسلام کی قوت روز بروز بڑھتی جاتی تھی ادھر نجاشی کے دربار سے قریش کے سفیر ناکام واپس آئے تھے ان واقعات نے قریش کو اسقدر برانگیختہ کیا کہ ان کی نوبت جنون تک پہنچگئی اور انھوں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ کل بنی ہاشم کو ایک دم نیست و نابود کر دیں اسمیں بنی امیہ کا گروہ سب سے آگے تھا۔ چنانچہ بانی اسلام کی بعثت کے ساتویں سال بنی ہاشم اور بنی مطلب کے خلاف ایک زبردست سازش کی گئی ایک اعلان خانۂ کعبہ میں اس مضمون کا لٹکا دیا گیا کہ بنی ہاشم و مطلب سے کسی طرح کا

میل جول نہ رکھا جائے اور اُن سے خرید و فروخت بند کی جائے، اس اعلان کی خبر سنکر بنی ہاشم اور عبد المطلب کو خوف پیدا ہوا کہ ایسا نہو کہ بنی امیہ اور دیگر قریش اُن پر حملہ کر کے سخت نقصان پہنچا دیں اس لئے جملہ بنی ہاشم اور عبد المطلب نے شعب ابوطالب میں ایک ہی جگہ استقامت کی اور مکہ کے مختلف حصوں میں ترک سکونت اختیار کر کے اس شعب ابوطالب کو انھوں نے اپنے لئے محفوظ کیا اور عام مکہ کے گلی کوچوں میں آمد و رفت ترک کر دی اس محصور حالت میں جناب رسول خدا نے مع اپنے تمام قبیلہ کے تین سال کاٹے یہ تین سال آنحضرت اور ان کے دیگر متعلقین پر نہایت مصیبت کے گذرے قریش نے ذرائع رسد رسانی بند کر دئے تھے اور بچے سخت بھوک سے مجبور ہو گئے تھے اگر کچھ زیادہ عرصہ یہ حالت جاری رہتی تو غالباً کل بنی ہاشم و عبد المطلب تباہ اور برباد ہو جاتے لیکن ایک شخص ہاشم بن عمر کی وجہ سے قبیلہ بنی ہاشم و قریش میں صلح ہو گئی اس تین سال کے عرصہ میں مذہب اسلام کی رفتار ترقی بہت سست رہی گو موسم حج میں رسول خدا صرف حاجیوں کو منادی اسلام کیا کرتے تھے لیکن وہ بھی پوشیدہ طور پر بایں ہمہ اکثر ابولہب آپ کے پیچھے جاتا اور لوگوں کو بہکا دیا کرتا کہ نعوذ باللہ آنحضرت کاذب ہیں

تین سال کی ناقابل برداشت مصیبت سے ابھی بانی اسلام کو اچھی طرح مہلت نہ ملی تھی کہ متواتر دو حادثہ سخت آنحضرت کو درپیش ہوئے جنکا اثر آپ پر مدت العمر رہا اول آپ کی پچیس سال کی غمگسار اور رفیق ترین بیوی حضرت خدیجہ کا انتقال ہو گیا دوسرے آپ کے شفیق اور سرپرست چچا حضرت ابوطالب رہ گرائے عالم بقا ہوئے ان دونوں سے آپ کو بڑی تسلی و تشفی تھی اس لئے اُن کا انتقال آپ کے لئے سخت رنج و ملال کا باعث ہوا یہ سال تاریخ اسلام میں عام الحزن یعنی غم کا سال کے نام سے موسوم ہے۔

چونکہ بانی اسلام حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہ کے انتقال سے نہایت ہی مضمحل اور افسردہ تھے نیز قریش کی ہٹ دھرمیوں اور ظالمانہ کارروائیوں کی کوئی حد باقی نہ رہی تھی اس لئے آپ نے مکہ میں تبلیغ اسلام بند کر دی اور بدیں خیال کہ کسی اور قوم کو دعوت اسلام دیں آپ نے شہر طائف کو جو مکہ سے ساٹھ میل کے فاصلہ پر تھا جانے کا ارادہ کیا آپ نے اپنے آزاد شدہ غلام زید کو ہمراہ لیا اور طائف کا رخ کیا یہاں کے لوگ اہالیان مکہ کی مہربانی سے آنحضرت کے پہلے ہی دشمن ہو گئے تھے اس لئے بجائے اسلام کے سیدھے سادھے اصولوں سے مستفید ہونے کے انھوں نے اینٹ پتھروں سے کام لیا۔ آنحضرت کو اپنے شہر سے نکال دیا اور ہر طرح کے وحشیانہ سلوک آپ کے ساتھ برتے اہل طائف کے اس شرمناک سلوک سے

آنحضرت سخت آزردہ ہوئے اور رنج و الم سے نڈھال ہوکر آپ نے ایک کھجور کے درخت کے نیچے پناہ لی اسوقت آپ کو بنی آدم کی نہایت گری ہوئی حالت پر سخت تاسف ہوا اور اپنی لاتعداد مصیبتوں کا احساس ہوا آپ نے یکایک آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھائے اور یہ فرمایا اے خدا میں تیرے آگے اپنی کمزوری اور بیچارگی کی ذلت وخواری کی فریاد لایا ہوں تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے تو عاجزوں اور ناتوانوں کا مددگار رہے اور تو میرا مالک پروردگار ہے تو مجھے کسکے حوالے کرتا ہے کیا ایسے دور دست کے جو مجھ سے ترش روئی سے پیش آئے یا ایسے دشمن کے جسکو تو نے میرا معاملہ سپرد کیا ہے۔ اگر یہ بلا تیری خفگی کی وجہ سے نہیں ہے تو مجھ کو کچھ پروا نہیں۔ مگر تیری عافیت میرے لئے زیادہ وسیع ہے تیرے جلال کا نور جس سے تمام تاریکیاں روشن ہوتی ہیں اور دنیا اور آخرت کے کام بگڑے ہوئے سنور جاتے ہیں اسی نور کی طرف تیرے غیظ و غضب کے نازل ہونے سے پناہ لیتا ہوں۔ خفگی کا بھی تجھ کو اختیار ہے یہانتک کہ تو رضامند ہو برائی سے بچنے اور نیکی کرنے کے لئے تیری مدد درکار ہے"۔ بانیٔ اسلام طائف سے نہایت مایوسی کے ساتھ واپس تشریف لائے آپ نے قریش کو وعظ ونصیحت کرنا پہلے ہی سے چھوڑ دیا تھا اس لئے خدا کا کلام صرف ان لوگوں کو سناتے تھے۔ جو آنحضرت کی شہرت سُنکر بخیال تفتیش حالات مکے میں آتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ یثرب کے چھ آدمی خدا کا پاک کلام سننے کے لئے آپ کے پاس بیٹھ گئے اور آپ نے اپنی معمولی فصاحت و بلاغت سے ایسا گرویدہ کیا کہ وہ سب مشرف بہ اسلام ہوئے اور یثرب میں جاکر گھر گھر اسلام کا چرچا کیا۔

دوسرے سال علاوہ اُن نومسلموں کے چھ اور آدمی جو اپنے اپنے خاندانوں کے قایم مقام تھے۔ یثرب سے حضرت محمد صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مقام عقبہ پر جو مکے کے قریب ایک پہاڑی ہے باقاعدہ مفصلہ ذیل بیعت لی۔

اول کسی کو خدا کا شریک نہ بنائیں گے۔

دوم چوری نہ کریں گے۔

سوم بدکاری سے بچیں گے۔

چہارم اولاد کو قتل نہ کریں گے یعنی اُن کو نہ بتوں پر قربانی چڑھائیں گے اور نہ غربت و افلاس کے وجہ سے قتل کریں گے۔

پنجم غیبت اور بدگوئی سے پرہیز کریں گے۔

ششتم ہر امر حق میں رسول اللہ کی امداد کریں گے۔
ہفتم رنج و راحت میں رسول اللہ کے شریک حال رہیں گے۔
تکمیل بیعت کے بعد جب وہ لوگ اپنے وطن کو واپس جانے لگے تو آنحضرت نے عبداللہ بن مکتوم اور مصعب بن عمیر کو ارکان اسلام کی تعلیم کے لئے اُن کے ساتھ کر دیا کلام الہٰی کی تاثیر سے یثرب میں بےشمار لوگوں نے اسلام قبول کیا کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں مسلمان زن و مرد موجود ہوں

(۳) ہجرت

اگلے سال حج کے موقع پر مصعب بن عمیر یثرب سے پھر مکہ میں واپس آئے اور اُن کے ساتھ پچھتر نو مسلم تھے جو بغرض زیارت پیغمبر خدا آئے تھے ان لوگوں نے رات کی تاریکی میں عقبہ پر ایک بڑی کانفرنس کی جس میں بانئ اسلام معہ اپنے چچا عباس کے شریک ہوئے اس جگہ اُن پچھتر آدمیوں نے بیعت کی اسکو عقبہ کی دوسری بیعت کہتے ہیں بعد بیعت اہل یثرب نے آنحضرت کو مدینہ میں لانے کی دعوت دی اور خود یثرب کو واپس لوٹ گئے۔

اگرچہ اس کانفرنس کا انعقاد رات کی تاریکی میں ہوا تھا پھر بھی مکی جاسوسوں کی چالاکی سے سارے شہر میں عقبہ کی دوسری بیعت کی خبر نہایت مبالغہ آمیز پیرایہ میں پھیلائی گئی جس سے قریش نہایت غضبناک جوش میں آئے اور سب اکھٹے ہو کر اہل یثرب کی تلاش میں نکلے۔ لیکن خوش قسمتی سے کل یثربی پہلے ہی کوچ کر چکے تھے اس لئے قریش کو ناکام واپس لوٹنا پڑا

قریش حضرت محمد صلعم اور اُن کے شاگردوں کی اس دلیری سے بڑے برہم ہوئے۔ اور مکے کی حالت مسلمانوں کے لئے نہایت خطرناک ہو گئی اس لئے بانئ اسلام نے بدیں خیال کہ مشرک کوئی زیادہ آفت نہ اٹھائیں مسلمانوں کو یثرب کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی اور بہت سے مسلمان مرد اور عورتیں چپکے چپکے یکے بعد دیگرے اپنا وطن ترک کر کے یثرب چلے گئے۔ جہاں اُن کا ہر طرح خیر مقدم کیا گیا اب مکے کا بڑا حصہ خالی ہو گیا تھا اور بہت سے گلی کوچے سنسان پڑے ہوئے تھے جس کو عتبہ بن ربیعہ نے دیکھ کر آہ سرد عربی کا ایک پرانا شعر پڑھا جس کا مطلب یہ ہے تھا کہ ہر ایک گھر خواہ کتنی ہی مدت تک حوادث زمانہ سے محفوظ رہا ہو۔ مگر ایک نہ ایک دن خرابی اور بربادی اسکو ضرور لاحق

ہو گی" اور نہایت افسوس سے یہ بھی کہا کہ یہ سب کچھ ہمارے بھائی کے فرزند محمد کا بیج بویا ہوا ہے جس نے ہمارے گھرانوں کو تتر بتر کر دیا اور ہم میں ابتری پھیلا دی

قریش کے اس غیظ و غضب کے زمانے میں جو انتہا درجہ کا خطرناک تھا بانئ اسلام کی ہمت میں کبھی کمی نہ آئی گو۔ تمام مسلمان یثرب کو جا چکے تھے لیکن آنحضرت مصلحت وقت و حکم خدا کے منتظر تھے سوائے حضرت علی اور حضرت ابوبکر کے آپ کے پاس کوئی اور نہ تھا قریش کی طرف سے انتقام کا بادل ہر چہار طرف چھایا ہوا تھا جن کو سرور کائنات کے چپکے سے چلے جانے کا بڑا اندیشہ تھا اس لئے نہایت عجلت کے ساتھ اہالیان مکہ نے دار الندوہ میں ایک بڑا بھاری اجتماع کیا جس میں ہر ایک خاندان کے بڑے بڑے آدمی شامل تھے اس کمیٹی میں موت و زیست کا سوال پیش تھا اور ایک بیگناہ شخص کی جان لینے کی تدبیریں سوچی جا رہی تھیں ایک مردود نے یہ تجویز پیش کی کہ بانئ اسلام کو حبس دوام یا جلا وطنی کی سزا دی جائے دوسرے نے قتل کا فتوے دیا یہ سب کچھ تو تھا اور اس میں کمیٹی کو باتفاق رائے منظور کر لینے میں کوئی اعتراض بھی نہ تھا لیکن سوال صرف یہ در پیش تھا کہ اگر ایک آدمی نے آنحضرت کو قتل کیا تو اسی سے قصاص طلب ہوگا اور خاندان بنی ہاشم اسکو نہ چھوڑیں گے اس امر پر غور کرنے کے بعد ابوجہل نے اس مشکل کو یوں حل کیا کہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ سب خاندانوں کے ایک ایک شخص ملکر آنحضرت کو جان سے مار دیں تو اس طرح خون کا قصاص ایک شخص سے نہ لیا جا سکیگا اور بنی ہاشم مجبور ہو جائیں گے۔ اس تجویز کو سب نے پسند کیا اور جملہ خاندانوں میں سے ایک ایک نوجوان اس ناپاک کام کے لئے منتخب کیا گیا چونکہ ان مشوروں میں رات زیادہ آگئی تھی اس لئے قاتلوں نے اپنے کام کو صبح تک ملتوی کر دیا۔ لیکن آنحضرت کے مکان کی دربندی کر لی

خونخوار قاتل اطمینان خاطر کے لئے دروازے کے سوراخ میں سے آنحضرت کو دیکھتے رہے کہ آپ ابھی اپنے بستر پر لیٹے ہوئے ہیں یا چپکے سے نکل گئے (لیکن دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تر است) خدا تعالے نے اپنے رسول کو خطرے سے آگاہ کر دیا تھا آپ نے اپنے جاں نثار بھائی حضرت علی مرتضی سے ارشاد فرمایا "اے علی آج تم میری جگہ میرے بستر پر لیٹ جاؤ اور میری سبز چادر اوڑھ لو تمکو کوئی گزند نہ پہنچیگا صبح کو وہ امانتیں جو لوگوں کی میرے پاس ہیں ان کو واپس کر دینا۔ اس طرح قاتلوں کو مغالطے میں ڈال کر آنحضرت رات کی تاریکی میں حضرت ابوبکر کو ساتھ لے کر کوہ ثور کے ایک غار میں جا چھپے

سے ڈھائی میل جنوب کی طرف واقع ہے ۔ جا چھپے
صبح کو مشرکین مکہ آنحضرت کو بستر پر نہ پاکر اور اُن کی جگہ حضرت علیؑ کو دیکھ کر بیحد طیش میں آئے لیکن حضرت علیؑ کی اس دلیرانہ جرأت سے نہایت متاثر ہوئے آپ کو تو کچھ نہ کہا ۔ لیکن عام اعلان کر دیا کہ جو شخص بانئی اسلام کو گرفتار کر کے لائے گا اسکو ایک معقول انعام ملیگا ۔ باوجود قریش کی ٹڈی دل دوڑ کے کچھ کامیابی نہوئی ۔ اور وہ اپنا سا مُنہ لے کر واپس آئے
حضرت علی کی یہ کمال جرأت اور جاں نثاری اعلیٰ درجہ کی تعریف و توصیف کے لائق ہے جس کی یورپین مورخوں نے بھی بڑی داد دی ہے اس طرح علانیہ خونخوار دشمنوں کے مقابلہ میں سینہ سپر ہونا کوئی معمولی بات نہ تھی ۔ کیونکہ اگر خطرے کا اندازہ لگایا جائے تو اس سے اچھی طرح معلوم ہوسکتا ہے کہ باوجود مکہ سے چند میل کے فاصلے پر ایک علیحدہ اور پوشیدہ غار میں محفوظ ہونے کے حضرت ابوبکر اسی قدر ہراساں اور خائف تھے کہ آپ نے ایک سے زیادہ دفعہ بانئی اسلام سے عرض کی کہ "یا محمد ہم صرف دو ہیں" جس کا جواب آنحضرت نے کمال استقلال سے یہ دیا کہ "کچھ فکر نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے"
تین دن تک آنحضرت غار میں محفوظ رہے چونکہ خدا نے مشرکوں کو اندھا کر دیا تھا اُن کو اپنے جائے قیام کا مطلق پتہ نہ ملا ۔ جب مشرکوں کی بھاگ دوڑ کم ہوگئی تو آپ بدقت تمام دو اونٹ بہم پہنچا کر غیر معمولی راستوں سے یثرب کی طرف روانہ ہوگئے تین روز کے متواتر سفر کے بعد بارہ ربیع الاول کو پیر کے دن خدا کا برحق رسول ایک سرسبز اور آباد موضع میں داخل ہوا جو قبا کے نام سے مشہور تھا ۔ اس جگہ توریت کی وہ پیشنگوئی جس میں بانئی اسلام کی آمد کی خبر درج تھی ۔ ہو بہو پوری ہوئی اور ایک یہودی نے آسمانی کتاب کے بموجب تمام اوصاف حضرت میں پاکر آپ کا بڑے جوش سے خیر مقدم کیا ۔
موضع قبا میں حضرت محمد صلعم چار روز تک اپنے وفادار بھائی حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کا انتظار کیا جو جون کے گرم موسم میں پیادہ پا سخت تکلیفیں اُٹھاتے ہوئے قبا میں داخل ہوئے ۔ چونکہ سفر کی صعوبات سے بہت تھک گئے تھے اور براہ راست آنحضرت کی خدمت میں حاضر نہو سکتے تھے اس لئے بانئی اسلام بذات خود آپ کی ملاقات کو تشریف لے گئے اور سینے سے لگا کر حضرت علیؑ کی وفاداری کی بہت تعریف کی اور آپ کی حالت ماندگی کو دیکھ کر زار زار رونے لگے ۔
قبا کے باشندوں نے بانئی اسلام سے چند روز اور اُن کے گاؤں میں قیام کرنے کی استدعا کی ۔ لیکن

آنحضرت کو فرائض نبوت درپیش تھے اس لئے آپ وہاں زیادہ قیام نہ فرما سکے اور ۱۲- ربیع الاول مطابق ۲ جون ۶۲۲ء کو بروز جمعہ صبح کے وقت اس سرزمین میں داخل ہوئے جو آنحضرت کے قدوم میمنت لزوم سے ہمیشہ کے لئے مقدس ہو گئی۔

حضرت عیسیٰ کا یہ قول کہ نبی بے عزت نہیں لیکن اپنے وطن میں" ختم المرسلین پر پورا صادق تھا۔ کیونکہ وہ لگاتار مصیبتیں جو آنحضرت کو مکہ میں پہنچیں اب ختم ہو گئیں۔ اہل یثرب نے آپ کی بڑی تعظیم و تکریم اور شان و شوکت سے استقبال کیا۔ شہر یثرب آنحضرت کے نام نامی سے مدینۃ النبی مشہور ہوا جو اب تک چلا آتا ہے

۴ مدینۃ النبی

مدینہ میں تشریف لانے کے بعد بانی اسلام نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ خدا پاک کی عبادت کے واسطے ایک سیدھی سادھی مسجد تعمیر فرمائی جو معمولی اینٹوں اور گارے سے بنائی گئی تھی اور جس کی چھت کھجور کے پتوں سے ڈھکی ہوئی تھی اس مسجد کی تعمیر میں آنحضرت نے خود شرکت فرمائی اور معمولی مزدوروں کی طرح کام کر کے عوام کو اپنے عجز اور انکساری کا ثبوت دیا۔ آنحضرت اس مسجد میں بیٹھکر لوگوں کو خدائے واحد کے جلال اور عظمت کی منادی فرماتے اور بہترین اخلاق کا وعظ کرتے تھے آپ نے اپنے معتقدوں کو فرمایا کہ باہم برادرانہ سلوک کرو یتیموں اور عورتوں کی حفاظت کرو سب کے ساتھ محبت سے پیش آؤ یہاں تک کہ جانوروں کو بھی تکلیف نہ دو۔

ان دنوں عرب میں کسی شہر میں بھی امن و امان نہ تھا۔ اور کل جزیرہ نما میں عام ابتری پھیلی ہوئی تھی چنانچہ یہی حال مدینہ کا بھی تھا جہاں دو قبیلے تھے اور ان دونوں میں خوب خانہ جنگیاں ہو رہی تھیں حضرت محمد صلعم کے تشریف لاتے ہی مدینہ میں خانہ جنگی موقوف ہو گئی اور آنحضرت نے دونوں کو ملا کر ایک کر دیا اور اہل مدینہ کو انصار کا معزز خطاب عنایت فرمایا وہ لوگ جو مکہ سے آپ کے ہمراہ آئے تھے مہاجرین کہلاتے تھے حضرت محمد صلعم نے مدینہ میں باقاعدہ نظم و نسق کیا اور سب کو برادرانہ سلوک کی ہدایت فرمائی یہاں تک کہ اہل یہود کو بھی اس شرط پر برابر کے حقوق دئے کہ وہ اہل اسلام کے پہلو بہ پہلو مدینہ کی حفاظت میں حصہ لیں گے اس طرح آنحضرت مدینہ میں نہ صرف نبی کی حیثیت رکھتے تھے بلکہ دنیاوی حکومت بھی آپ کے ہاتھ میں آ گئی۔

اہل مکہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ اہالیان مدینہ نے آنحضرت کو پناہ دی ہے تو وہ اُن کے جانی دشمن ہو گئے باوجود اس کے کہ حضرت پیغمبر خدا مکے سے تشریف لے آئے تھے لیکن قریش کی دشمنی آنحضرت سے کم نہ ہوئی تھی اور ان کی خباثت میں کچھ فرق نہ پڑا تھا اس لئے انھوں نے آنحضرت کو مدینہ میں بھی آرام سے بیٹھنے نہ دیا وہ لوگ ہمیشہ مدینہ کے گرد و نواح میں شب خون ڈالتے اور مسلمانوں کے کھیتوں کو غارت کرتے تھے حتیٰ کہ مویشی تک چرا لیجاتے تھے۔

اہل قریش کی ان وحشیانہ حرکات نے اہل مدینہ کو سخت تنگ کر رکھا تھا اس لئے خدا تعالےٰ نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا کہ وہ مسلمانوں کے دشمنوں سے جنگ کرے۔

حضرت پیغمبر خدا نے اپنی ساری عمر کبھی تلوار نہ اٹھائی تھی۔ آپ کو انسانی تکلیف کا نہایت احساس ہوتا تھا یہاں تک کہ آپ نے اپنے بچوں اور شاگردوں کی محبت پر اس قدر آنسو بہائے تھے کہ آپ کے دشمن آپکو عورتوں کا مشابہ بتلاتے تھے۔ اب مجبوراً ضرورت واقعات سے اپنی مرضی کے خلاف آپکو اسلام کے دشمنوں پر حملہ کرنا پڑا اس اثنا میں اہل مکہ کا ایک بڑا گروہ جس میں ایک ہزار آدمی سے کم نہ تھے۔ ابوجہل کی سرکردگی میں مسلمانوں کو برباد کرنے کے لئے مدینہ کی طرف چڑھ آیا اور مسلمانوں کو ان لوگوں کی نقل حرکت کا پتہ لگ گیا اس لئے حضرت محمد صلعم نے صرف تین سو مسلمانوں کے ساتھ مقام بدر ان لوگوں کی مدافعت کا ارادہ کیا اِک بڑے میدان میں مشرکین اور اہل اسلام علیحدہ علیحدہ جمع ہو گئے تب سے پہلے عرب کی رسم کے مطابق دونو طرف سے تین تین پہلوان کشتی کے لئے اکھاڑے میں اُترے مسلمانوں کی طرف سے حضرت حمزہ حضرت علی اور عبیدہ نے رجز کا جواب دیا اور ہر سہ شجاعان اسلام بفضل خدا کامیاب آئے اس کے بعد عام طور پر مقابلہ ہوا اگرچہ پہلے مسلمان کچھ قدر پسپا ہونے لگے۔ لیکن بعد میں بانی اسلام کی ہمت دلانے سے اس زور شور کے ساتھ جنگ کی کہ اہل مکہ کے پیر اُکھڑ گئے۔ بڑے نقصان کے بعد قریش کو شکست فاش ہوئی اور ابوجہل لڑائی میں مارا گیا

جوں ہی کہ قریش شکست کھا کر مکے کو واپس ہوئے ان لوگوں نے پھر مسلمانوں پر حملہ کرنیکا ارادہ کیا اور ابو سفیان دو سو سواروں کو لیکر یہ قسم کھا کر چلا کہ وہ حضرت پیغمبر خدا اور اُن کے ساتھیوں سے جب تک انتقام نہ لیگا واپس نہ لوٹیگا ان دو سو آدمیوں کے گروہ نے مدینے سے کچھ میل کے فاصلہ پر دفعتاً حملہ کرکے چند مسلمانوں کو قتل اور اُن کے کھیتوں کو غارت کر دیا لیکن جب مسلمان مقابلہ کو تیار ہو کر آئے تو یہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

اس عرصہ میں مشرکین مکہ مسلمانوں سے ایک بہت بڑے جنگ کے لئے آمادہ ہو رہے تھے اور انتقام کی آگ ان میں سلگ رہی تھی چونکہ انھوں نے آس پاس کے قبیلے جمع کرکے تقریباً تین ہزار باقاعدہ سپاہی جمع کر لئے تھے اس لئے انھوں نے فوراً مدینہ پر چڑھائی کر دی۔ تاریخ اسلام میں اس لڑائی کو جنگ احد کہتے ہیں۔ حضرت پیغمبر خدا بھی ایک ہزار مسلمان لے کر مدینہ سے باہر نکلے لیکن ان میں سے تین سو منافقین یہودیوں کی شرارت سے علیحدہ ہو گئے حضرت پیغمبر خدا نے بڑی دلیری سے اس کمی کو محسوس کیا اور کل سات سو آدمی لیکر جن میں صرف دو سوار تھے آپ مشرکوں کے مقابلہ پر آمادہ ہو گئے۔

علی الصباح بعد ادائے فریضۂ نماز آنحضرت نے ایک پہاڑی کے پیچھے اپنی فوج کو اس طرح ترتیب دیا کہ چند آزمودہ کار تیر اندازوں کو ایک اونچائی پر اپنی فوجوں کے پیچھے کھڑا کر کے سخت تاکید کی کہ وہ اپنی جگہ سے نہ ہلیں سب سے پہلے مشرکین نے اپنی کثیر التعداد جماعت پر ناز کر کے مسلمانوں پر حملہ کیا لیکن مسلمانوں نے حضرت حمزہ کے ماتحت قریش کا ایسا سخت مقابلہ کیا کہ وہ لوگ تتر بتر ہو گئے۔ یقیناً مسلمانوں کو فتح ہو جاتی لیکن ان سے بہت بڑی غلطی یہ صادر ہوئی کہ جوں ہی دشمن کی فوج پسپا ہونی شروع ہوئی۔ تو باوجود پیغمبر خدا کے ممانعت کے تیر اندازوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور لوٹ میں مصروف ہو گئے اس غلطی کو خالد بن ولید نے جو قریش کا ایک آزمودہ کار جرنیل تھا معلوم کر کے اپنی فوج کو لوٹا کر مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس اثنا میں ایک شخص مسمی طلحہ جو مشرکین مکہ کا علم بردار تھا۔ حضرت علیؑ کی طرف بڑھا اور نیزے کو ہلا کر کہا کہ تم مسلمانوں کا یہ قول ہے کہ ہمارے مردے جنت میں جائیں گے اور ہمارے دوزخ میں اب دیکھیں کہ تم کس طرح جنت میں جاتے ہو حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ بے شک آؤ طلحہ اور حضرت علی میں ایک بڑی لڑائی ہوئی جسمیں طلحہ زمین پر گر گیا آپ اسکو قتل کرنیکو تیار ہی تھے کہ اس نے چلا کر کہا کہ "اے میرے چچا کے بیٹے رحم" حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ "میں تجھپر رحم کرتا ہوں۔ کیونکہ تو دوزخ کے قابل نہیں" دوسری طرف جنگ نے پلٹا کھایا اور مشرکین مکہ غالب ہوئے اس لڑائی میں حضرت حمزہ شہید ہوئے اور حضرت علیؑ و عمر ابو بکر سخت زخمی ہوئے۔ اب مشرکین مکہ نے حضرت پیغمبر خدا کو ایک طرف تنہا پا کر آنحضرت پر سخت حملہ کیا آپ کے بہت سے زخم آئے اور پیشانی سے خون بہنے لگا اس عرصہ میں مسلمانوں کا وہ گروہ جو حضرت علی کی ماتحتی میں عین میدان جنگ میں دشمنوں کی مدافعت کر رہا تھا حضرت محمد صلعم کو بچانے کے لئے ٹوٹ پڑا حضرت علیؑ نے بانیٔ اسلام کو بچا لیا اور پہاڑ کے ایک غار میں لے گئے جہاں آپ نے آنحضرت کے زخم دھوئے۔

ادھر قریش حملہ کرتے کرتے تھک گئے تھے اس لئے بغیر مدینہ تک پہنچنے کے واپس مکہ کو لوٹ گئے چلتے بھی اُن لوگوں نے مسلمانوں کی لاشوں کو روندا بلکہ ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے انتقام کے جوش میں حضرت حمزہ کا سینہ چاک کرکے دل نکالا اور اُن کی انتڑیوں کا ہار بنایا۔

اہل قریش نے مکہ واپس پہنچکر مسلمانوں پر حملہ کرنا تو چھوڑ دیا لیکن اپنے ہمسایہ قبیلوں کو تکلیف دینے لگ گئے چنانچہ قوم بنی خزاعہ میں ایک قتل عام کرکے اپنی شیطنت کا پورا ثبوت دیا بنی خزاعہ کے پس ماندہ آدمیوں نے بانی اسلام سے اہل مکہ کی شکایت کی اور امداد چاہی چونکہ قریش کے ظلم وستم حد سے زیادہ تجاوز کر گئے تھے اور اُن کے گناہوں کا پیالہ لبریز ہو چکا تھا اس لئے آنحضرت جو ہمیشہ سے کمزوروں کے طرفدار اور معین تھے کفار مکہ سے انتقام لینے پر آمادہ ہو گئے اور ایک ہزار مسلمانوں سے حملہ کرکے مکہ کو فتح کر لیا۔

فتح مکہ کے بعد حضرت پیغمبر خدا اُس شہر میں جہاں سے کچھ عرصہ پہلے آپ خوف زدہ اور پریشان نکلے تھے۔ ایک فاتح سردار کی حیثیت سے داخل ہوئے۔ مشرکین مکہ جنھوں نے مسلمانوں سے وحشیانہ اور ہولناک سلوک کئے تھے یہاں تک کہ انھیں جلاوطن کرکے اجنبیوں میں پھینک دیا تھا معصوم بچوں اور کمزور عورتوں پر سختی کرکے انسانیت کی تحقیر کی تھی۔ اب بانی اسلام کے رحم پر چھوڑے گئے اور خوف زدہ پناہ کے مستدعی ہوئے۔ گو وقت آچکا تھا کہ آنحضرت ان پاجیوں سے انتقام لیتے۔ لیکن فتح کے بعد آپ نے اُن مظالم کو بھلا دیا اور ہر ایک خطاوار معاف کیا گیا۔ حتیٰ کہ ابوسفیان جیسا دنیا پرست اور دشمن اسلام بھی جس نے بانی اسلام کی تکلیف دہی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا تھا سزا سے بچ گیا اور مکہ کی کل آبادی کو امان دی گئی

آنحضرت کے مکہ میں داخل ہونے کے بعد جو منظر آپ کے پیش نظر ہوا اس کی نظیر تاریخ عالم میں کوئی اور موجود نہیں ہے گروہ گروہ آنحضرت کے روبرو حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا آپ نے کوہ صفا پر بیٹھ کر اُن سے وہی حلف لیا جو اہل مدینہ سے لیا تھا وہ فرقے جو پہلے مسلمانوں کے دشمن تھے اب خود قبول اسلام کے لئے حضرت کے پاس آئے اور اسطرح فتح مکہ کے بعد سنہ ۶۳۰ء میں عرب کی بت پرستی کا خاتمہ ہو گیا اور وہ سیاہ بادل جو عرصہ سے اس سرزمین پر چھائے ہوئے تھے مصفا ہونے شروع ہوئے

حضرت محمد صلعم نے الٰہی مشن کو بہت کچھ مکمل پاکر اپنے خاص خاص شاگردوں کو عرب کے متفرق قبیلوں کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ وہ ان کو اسلام کی دعوت دیں لیکن اس امر کی سخت تاکید کی کہ کسی پر کوئی جبر و تعدی نہ کیجائے چنانچہ اس حکم کی سوائے ایک واقعہ کے پوری تعمیل کی گئی اور وہ واقعہ یہ ہے کہ جو جماعت خالد بن ولید کی ماتحتی

میں بھیجی گئی تھی وہ سب کے سب تھوڑے دنوں سے مسلمان ہوئے تھے۔ جو خالد بن ولید ایک سخت گیر شخص تھا ان لوگوں نے بدوؤں کے ایک فرقہ بنی جذیمہ کو سخت تکلیف پہنچائی اور اُن میں سے چند کو قتل کر دیا جب اس خونریزی کی خبر جناب رسولخدا کو پہنچی تو آپ کو سخت قلق ہوا اور آپ نے ہاتھ اُٹھا کر خدا سے دعا کی کہ "اے باریتعالی جو کچھ خالد نے کیا اُس کے لئے میں بے قصور ہوں"۔ آنحضرت نے فوراً حضرت علی کو اس غرض سے بھیجا کہ آپ اُن سختیوں کا تدارک کریں جو بنی جذیمہ پر خالد نے کی تھیں اس قسم کا کام حضرت علی کی طبیعت کے عین مطابق تھا جس کو آپ نے نہایت خوش اسلوبی سے پورا کیا سب سے پہلے حضرت علیؑ نے ایک فہرست مقتولین کی ایسی طیار کی جنکو خالد نے قتل کرایا تھا اس فہرست میں آپ نے مقتولین کی حیثیت کا بھی خیال رکھا اور بعد تیاری فہرست مقتولین کے پس ماندگان کو کافی زر بطور معاوضہ کے عطا فرمایا اور جو کچھ بچا وہ اس قبیلے کے دیگر اشخاص پر تقسیم کر دیا اس اعلیٰ درجہ کی فیاضی اور انسانیت نے کل قبیلے کو آپ کا نہایت مشکور کر دیا جنھوں نے ہزار ہا دعائیں آپ کو دیں اس تلافی کے بعد جب حضرت علی بانئے اسلام کے پاس تشریف لائے تو آنحضرت نے نہایت خوش ہو کر آپ کی بڑی تعریف کی۔

حضرت پیغمبر خدا کے دیگر شاگردوں نے عرب کے ہر چہار طرف دین اسلام کی سچائی کا وعظ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام عرب کا عام مذہب بن گیا اور عرب سے باہر بھی اسلام خود بخود ترقی پذیر ہوتا چلا گیا۔ کیونکہ سنہ ۱۰ھ میں بیشمار وفد گرد و نواح عرب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتمیں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

ان ہی دنوں میں ہرقل قیصر روم جس نے کچھ عرصہ قبل فارس پر فتح حاصل کر لی تھی۔ اب عرب کو فتح کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا اس نے اس مہم کے لئے اپنی دار السلطنت میں کثیر فوج جمع کرنیکا انتظام کر لیا تھا جو اس تیاری کی خبر مدینہ میں پہنچ گئی۔ مسلمانوں میں اس اطلاع نے کمال اضطراب کے آثار پیدا کر دیئے کیونکہ عرب پر فوج کشی کرنا گویا اسلام پر فوج کشی کرنا تھا اس لئے بانئ اسلام بھی مقابلہ پر آمادہ ہو گئے اور آنحضرت نے چاروں طرف سے مسلمان مجاہدین جمع کرنے شروع کئے یہاں تک کہ ایک کافی تعداد مسلمانوں کی جمع ہو گئی جس کو لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرحد کی طرف کوچ کیا

اس مہم پر روانہ ہونے سے پہلے بانئ اسلام نے مصلحت دینی و ملکی کے خیال سے مدینہ میں حضرت علی کو اپنا نائب مقرر کیا۔ کیونکہ بلحاظ اعلیٰ اوصاف وجاہت اور لیاقت کے حضرت علی سے بہتر کوئی اور نہ تھا

آپ نے اپنی موجودگی میں تمام اختیارات دینی و ملکی حضرت علیؓ کو تفویض کئے اور بہ اطمینان خاطر میدان جنگ پر روانہ ہوئے۔ لیکن آنحضرت کچھ دور نہ گئے تھے کہ راستے میں سے چند منافقین مقام ثنیات الوداع سے واپس مدینہ کو لوٹ آئے۔ جہاں انھوں نے آن کر یہ خبر مشہور کی کہ جناب رسولخدا اس فوج کشی کے نتیجے سے خوب واقف ہیں اس لئے آپ نے اپنے بھائی علی کو اپنے ساتھ نہیں لیا اس بیہودہ افواہ سے حضرت علیؓ کو سخت رنج ہوا اور آپ مسلح ہو کر بہ تعجیل فوج میں جا شامل ہوئے جہاں آپ نے کل حال من و عن جناب رسول خدا صلعم کو جا سنایا آنحضرت کو بھی اس بیہودگی کا نہایت قلق ہوا اور آپ نے فرمایا کہ "میں نے اپنے بجائے تمکو خلیفہ مقرر کیا ہے اپنی جگہ واپس جاؤ تم میرے مقلدین میں میرے نائب ہو یا علی کیا تم اس بات پر مطمئن نہیں ہو کہ تم میرے لئے وہ ہو جو موسے کے لئے ہارون تھا۔ حضرت علیؓ یہ سنکر واپس لوٹ گئے اس موقع پر ہم یہ لکھنا نہایت ضروری سمجھتے ہیں کہ کیا بانئ اسلام کے یہ الفاظ حضرت علی کی نسبت آپ کی جانشینی کا کافی ثبوت نہیں ہیں اور کیا کوئی امر فیصلہ طلب باقی رکھا گیا ہرگز نہیں پھر ہمکو تعجب ہے کہ آنحضرت کے انتقال کے بعد مسئلہ خلافت و امامت کیوں معرض تکرار میں لایا گیا۔

جب مسلمانوں کی فوج مدینہ و دمشق کے درمیان مقام تبوک پر پہنچی تو اُن کو اس خبر سے کمال حیرت اور اطمینان ہوا کہ قیصر روم کی فوج کشی محض خواب ہی خواب ہے کیونکہ اُسکو اپنے ملک میں بہت سی خانہ جنگیاں درپیش ہیں اس لئے بانئ اسلام نے واپس مدینہ کا عزم فرمایا۔

اس مہم سے واپس آنے پر حضرت محمد صلعم کو معلوم ہوا کہ قوم بنی طے مسلمانوں کے خلاف بہت کچھ فتنہ و فساد برپا کر رہی ہے اس لئے آنحضرت نے ایک قلیل فوج حضرت علی کی ماتحتی میں اُس قوم کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمائی قوم طے کے سردار کا نام عدی بن حاتم تھا یہ حاتم وہی شخص تھا جس کی سخاوت شہرہ آفاق ہے ابھی حضرت علیؓ راستہ میں ہی تھے کہ عدی بن حاتم ملک شام کو بھاگ گیا اُس کی بہن اور دیگر عزیز و اقارب مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ جن کو حضرت علیؓ نے کمال عزت و حرمت کے ساتھ رسول صلعم کی خدمت میں پیش کیا آپ نے حاتم کی بیٹی کو آزاد ہی نہیں کر دیا۔ بلکہ بیش قیمت تحفے بھی عنایت فرمائے جب یہ عورت شام میں اپنے بھائی کے پاس پہنچی۔ تو اس نے بانئ اسلام کے اخلاق حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ کی بہت تعریف کی عدی کے دل پر اس کا اتنا بڑا اثر ہوا کہ وہ فوراً مدینہ میں آکر مسلمان ہو گیا اور اسکے ساتھ ہی بنی طے کا سارا قبیلہ مشرف باسلام ہوا۔

(۱) دیکھو ابن ہشام صفحہ ۸۹۷

اب اسلام کا آفتاب نصف النہار پر تھا اور اس کی چمک دار کرنیں زمین کے بڑے حصّہ کو منوّر کر رہی تھیں جناب
پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِس خیال مصلحت اور دوراندیشی سے کہ مسلمان کسی ناواجب ترغیب میں پھنسیں
بعض مشرکوں اور کفّار کی یکجا اجتماع سے علیحدہ رکھنا مناسب خیال کیا کیونکہ بنی اسرائیل ایسی ترغیبوں کا نشانہ
ہوکر کفّار سے بدتر ہو گئے تھے - اس لئے آنحضرت نے الہام الٰہی کے موجب مکّہ میں ایک عام اعلان مشتہر کرنا
چاہا جو یہ تھا کہ کوئی بُت پرست اس سال کے بعد سے کعبہ میں حج نہ کرنے پائیگا - ننگا ہوکر طواف نہ کیا جائیگا
جن لوگوں نے رسولؐ خدا سے معاہدہ کیا ہے اون کا وہ معاہدہ مدت مقررہ کے آخر تک بحیثیتہٖ قائم رہیگا
اور باقی لوگوں کے لئے چار مہینے کی مہلت دی جاتی ہے کہ وہ اپنے اپنے ملک کو واپس چلے جائیں ورنہ
بعد ازیں رسول خدا اُن کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہونگے“

اس اعلان کو مشتہر کرنے کے لئے جو کعبہ جیسی مقدس جگہ میں دیا جاتا تھا - رسول اللہ نے اپنے مسلّمہ نائب حضرت
علیؑ کو تعینات فرمایا جنھوں نے اپنی پُرزور آواز میں کمال فصاحت و بلاغت سے اہلیان مکّہ و دیگر مسلمانوں
کے جم غفیر میں اس اعلان کو پڑھ کر سنایا جس کا یہ اثر ہوا کہ دوسرے سال ایک عظیم تعداد مشرکوں کی
مسلمان ہو گئی -

وہ قوم جو عرصہ دراز سے سرتاپا بت پرستی میں ڈوبی ہوئی تھی اور جس کی نسبت سر ولیم میور(۱) کی مفصلہ ذیل
رائے قابل اقتباس ہے کہ ”ایک بڑی مدت سے مکّہ اور عرب روحانی جذبوں سے بالکل بے خبر تھا - عیسوی
اور یہودی مذہب کا اُن پر بہت ہی تھوڑا اثر پڑا تھا اُن کے دلوں کی بعینہٖ وہ کیفیت تھی جیسے ایک بہت
بڑی جھیل جگہ جگہ سے متحرک ہو گئی ہو - لیکن اُس کی تہہ کا پانی کو اصلا جنبش نہ ہو اہل عرب کے دل توہّم
سے پُر تھے اور وہ بدگمانیوں میں غرقاب تھے اُن میں عام طور پر یہ دستور جاری تھا کہ بڑا بیٹا
اپنے باپ کے مرنے کے بعد حقیقی ماں کے سوا تمام سوتیلی ماؤں پر وراثتاً قبضہ کرتا اور تعلقات زناشوئی
قائم رکھتا - غرور اور افلاس نے ہندوؤں کی رسم دخترکشی اُن میں جاری کر دی تھی ان لوگوں
نے ثواب اور عذاب آخرت کا نام تک نہ سنا تھا غرضیکہ سارا عرب بلا خیز تاریکی میں مبتلا تھا“ یکایک
اس کی کایا پلٹ ہو گئی اور وہ عرب جو پہلے کفر اور بداخلاقیوں کا ریگستان تھا اب ایک نہایت پُرفضا
اور خوشگوار باغ بن گیا -

اس وقت سے اہل عرب کے مقاصد صرف دنیاوی نہ تھے - بلکہ کوئی وہم و قیاس سے بڑھ کر پاک چیز

(۱) دیکھو لائف اوف محمد مصنفہ سر ولیم میور مطبوعہ لندن

انھیں برابر سخاوت۔ نیکی۔ عدل اور محبت کی طرف بلاتی تھی اب اُن کا خدا پتھر یا کاٹ کا خدا نہ تھا۔ بلکہ ساری مخلوق کا واحد اور قادر مطلق خدا تھا جس نے بانئ اسلام جیسے ان تھلک اور مستقل ارادوں والے پیغمبر کو زمین پر بھیجا اور جس نے اہل عرب کی سوتی قسمتوں کو جگا دیا۔

رحلت

جب بڑی تعداد خلق اللہ کی بلا جبر و استکراہ اسلام کی خوبیوں سے متاثر ہو کر دین اسلام میں داخل ہو گئی تو پیغمبر خدا نے اپنی رسالت کو مکمل خیال کیا۔ ساتھ ہی آنحضرت کو الہام کے ذریعے سے معلوم ہوا کہ وصال حبیب بھی قریب ہے اس لئے بانئ اسلام نے اپنی موت کی پیشینگوئی کی اور ایک الوداعی حج کا مصمم ارادہ کیا۔ چنانچہ ۸ ذی الحجہ مطابق ۷ مارچ ۶۳۲ء کو آپ داخل مکہ ہوئے۔ قبل اس کے کہ آپ مراسم حج شروع کریں آنحضرت نے کوہ عرفات پر وہ آخری شاندار تقریر فرمائی جو معرفت اور پاکیزگی سے بھرپور تھی اور جو مسلمانوں کے دلوں سے کبھی فراموش نہ ہو گی۔ آپ نے فرمایا ایہا الناس میری بات کان دھر کر سنو۔ ممکن ہے کہ سال آئندہ میں تم میں موجود نہ ہوں۔ اس لئے اس سے پہلے کہ تم قادر مطلق خدا کے حضور حاضر ہو اور تم سے تمہارے افعال کی باز پرس ہو۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ ایک کا مال دوسرے کے لئے اس وقت تک حرام ہے جب تک وہ بہ طیب خاطر تم کو نہ دے اے مردو اپنی عورتوں کے ساتھ نہایت محبت اور مہربانی سے پیش آؤ۔ کیونکہ تم نے انھیں خدا کی ضمانت پر اپنی حفاظت میں لیا ہے۔ گناہوں سے بچو جو نہایت سخت جرم اور سود تم پر حرام ہے مقروض صرف اصل واپس کرے سب سے پہلے خدا کے اس حکم کی تعمیل میں اپنے چچا عباس کے قرضے سے کرتا ہوں جو لوگوں کی طرف واجب الادا ہے وہ طریقہ انتقام کا جو زمانہ جاہلیت سے جاری ہے سخت منع ہے قاتل کا انتقام اُسکے خاندان سے جائز نہیں اس بنا پر میں اپنے چچا زاد بھائی رابعہ بن حارث کا انتقام معاف کرتا ہوں اپنے غلاموں سے برابری کا سلوک کرو ان کو وہی غذا کھانے کو دو جو تم خود کھاتے ہو اور وہ کپڑے پہننے کو دو جو تم خود پہنتے ہو اگر وہ ایسے قصور کے مرتکب ہوں جو قابل معافی نہیں تو ان سے علیحدگی اختیار کر دو لیکن اُن سے سختی کا برتاؤ نہ کرو سب انسان ایک دوسرے کے بھائی ہیں لوگ جو موجود ہیں ان احکامات کو اُن تک پہنچا دیں جو موجود نہیں ہیں"

اس جامع اور پر اثر وعظ کے بعد حضرت محمد صلعم نے کل مسلمانوں کو خطاب کر کے تین مرتبہ پوچھا کہ کیا میں نے

خدا کا پیام اور اُسکا حکم ہمیں سُنایا۔ سب نے متفق اللفظ عرض کی یا رسول اللہ بے شک حضور نے تمام
احکامات الٰہی سے بہرہ ور کیا جس پر بانیٔ اسلام نہایت متاثر ہوکر آبدیدہ ہوئے اور بدست بدعا
ہوکر فرمایا کہ "اے باری تعالیٰ تو گواہ رہ کہ میں نے تیری رسالت پوری کی تیرے بندوں کو تیرا پیام
پہنچادیا اب میں اپنے فرض سے سبکدوش ہوں"۔ اس کے بعد مراسم حج ادا فرمائے اور مدینہ کو مراجعت کی
حج کعبہ سے اس آخری دفعہ واپس ہوتے ہوئے آپ نے ایک دفعہ اور مناسب سمجھا کہ اپنے مقلدوں کو اس بھاری
اور نقصان دہ غلطی سے پہلے ہی متنبہ فرمادیں جو آنحضرت کے انتقال کے بعد دشمنان اسلام سے پہنچنے
کا اندیشہ تھا اس لئے آنحضرت نے بمقام خم غدیر ایک مجمع کثیر میں حضرت علی کو اپنے بعد امام وصی اعلان
فرمایا اور تاکید کی کہ علی کی متابعت سے مسلمان ہرگز گریز نہ کریں

پیغمبر آخر الزماں کا آخری سال خاموشی اور سکون میں گذرا اگر موت سے پہلے تین دن کے سوا آنحضرت نے
مسجد میں تشریف لاکر نماز پڑھانے میں کبھی فروگذاشت نہ کی۔ ایک رات آپ قبرستان میں گئے جہاں
اسلام کے ابتدائی دلدادہ موت کی میٹھی نیند سو رہے تھے، آنحضرت نے قبروں پر فاتحہ پڑھی اور واپس
گھر تشریف لائے اب بانیٔ اسلام روز بروز نحیف ہوتے جاتے تھے اس لئے آپ نے حضرت عائشہ کے
گھر میں اقامت کی کیونکہ اُن کا گھر مسجد سے زیادہ قریب تھا۔

آخری دفعہ جب بانیٔ اسلام مسجد میں تشریف لائے تو اسقدر نحیف تھے کہ چل نہ سکتے تھے اور بدقت
حضرت علیؑ اور فضل بن عباس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر مسجد میں پہنچے تھے تاہم آپ کے چہرے سے
بشاشت ٹپکتی تھی اور لبوں پر مسکراہٹ تھی نماز کے بعد آپ نے فرمایا کہ "مسلمانوں اگر میں نے تم میں سے
کسی کا قصور کیا ہو تو میں اب جواب دہی کے لئے موجود ہوں۔ اگر کسی کا قرضہ میرے طرف ہے
تو میں اُس کی ادائیگی کے لئے طیار ہوں"۔ چنانچہ ایک شخص مجمع میں سے اُٹھا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ
آپ نے تین درہم ایک فقیر کو مجھ سے دلوائے تھے آنحضرت نے فوراً ادا کردیئے اور فرمایا "اس دنیا میں
شرمندہ ہونا عقبیٰ کی شرمندگی سے بہتر ہے" پھر آنحضرت نے کل مسلمانوں کے لئے دعائے خیر مانگی اور
اُن کو اسلام پر مستقل رہنے کی تاکید فرمائی۔ آخر میں اپنے وعظ کو اس قرآنی آیت پر ختم فرمایا
کہ "بہشت اُن لوگوں کے لئے ہے جو اس فانی دنیا میں اپنی سربلندی نہیں چاہتے"
اس کے بعد جناب سرور کائنات پیغمبر آخر الزماں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر کبھی مسجد میں

تشریف لاکر شریک نماز نہ ہوسکے ۔ دوشنبہ روز آنحضرت کی طاقت زائل ہونی چلی گئی اور آخر کار ۱۲ ربیع الاوّل مطابق ۸ ۔ جون ۶۳۲ء کو دو پہر کے وقت جبکہ آہستہ آہستہ ذکر خدا فرمارہے تھے آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی اور اسطرح اک عظیم الشان نبیؐ دنیا سے اُٹھ گیا ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

افسوس اب اُس پاک زندگی کا جو اوّل سے آخر تک خدائے تعالےٰ اور بنی نوع انسان کی خدمت میں منہمک رہی ۔ خاتمہ ہوگیا ۔ باوجود سخت سے سخت نازک امتحان کے حضرت محمد صلعم نہایت مستقل مزاج ہے ۔ آنحضرت یا تو ایک گمنام نبی تھے ۔ یا آپ کا پایہ سلاطین اعلیٰ کے مساوی ہوگیا قیصر وخسرو سے آپ بہ حیثیت فرماں روا عرب کے کسی طرح کم نہ تھے ۔ ایک بڑی قوم کی موت وزیست آنحضرت کے ہاتھ میں تھی لیکن عجز وانکسار و دیانت وشرافت جو شروع میں آپ کا حصہ تھی ۔ ہمیشہ تک برقرار رہی ۔ آپ کی حیا رحم ۔ صبر ۔ سخاوت اور نیک دلی نے لوگوں کے دلوں کو مسخر کرلیا تھا ۔ آپ ہر غم زدہ دل کے ساتھ کمال شفقت رکھتے تھے دوسرے کے آرام کو اپنی آسایش پر سبقت دیتے تھے ۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم غریبوں سے الفت کرتے اور اُن کی تعظیم کرتے تھے ۔ آنحضرت کا برتاؤ اپنے سے کمتر لوگوں کے ساتھ نہایت قابل تعریف تھا آپ کا ایک خاص خدمتگار روایت کرتا ہے کہ دس سال کی ملازمت میں آنحضرت نے کبھی اُف تک اُس سے نہ کہا تھا ۔

آنحضرت آئمہ اطہار اور اپنے عزیز و اقربا سے کمال اُنس ومحبت رکھتے تھے آپ کو بچوں سے بڑی محبت تھی گلیوں میں بچوں کو دیکھتے تو اُنھیں ٹھیر الیتے اور پیار کرتے تھے ۔ آپ نے اپنی تمام عمر میں کسی کو نہیں مارا ۔ اگر کسی سے سخت ناراض ہوتے تو صرف یہ فرماتے تھے اُسکو کیا ہوگیا ہے اُسکی پیشانی مٹی سے کالی ہو ایک دفعہ مسلمانوں نے آپ سے استدعا کی کہ مشرکوں کے حق میں آپ بددعا کریں ۔ آپ نے فرمایا ع بہر رحمت گشتہ ام مامور نے بہر غضب

بانیٔ اسلام کو بیماروں کی عیادت کا بڑا شوق تھا ۔ ہر اک جنازہ کے ہمراہ رہنا لازمی سمجھتے تھے ادنیٰ سے ادنیٰ غلام کی دعوت کو بھی آپ نے رد نہیں کیا تھا اپنے کپڑوں کو خود سیتے تھے ۔ بکریوں کا دودھ خود دوہتے تھے ایک عرب آپ کی تعریف اسطرح لکھتا ہے کہ آنحضرت ایک دیسرول رکھتے تھے ۔ ہاتھ سخی تھا ۔ زبان سچی تھی آپ جس کسی کو امان دینے کا اقرار فرماتے تھے اُسکو پورے طور سے انجام دیتے تھے آنحضرت اعلیٰ درجہ کے تیغ زن گفتار تھے ۔ جو آپ کو ایکدفعہ دیکھ لیتا اُس کے دل سے آپکی عظمت کبھی فراموش نہ ہوتی تھی ۔

جناب سرور کائنات کی عادت - خاموشی پسند زیادہ تھی - لیکن جب آنحضرت گفتگو کرتے تو نہایت صاف اور ٹھیر ٹھیر کر - آپ کی زبان میں خاص اثر تھا - سننے والا آپ کے کلام کو کبھی نہ بھولتا تھا - ظلم رسیدہ اور ستم دیدہ دلوں سے آپ کو اسقدر ہمدردی تھی کہ چلتے چلتے آپ ٹھہر جاتے اور بیکسوں کی فریاد رسی کئے بغیر آگے قدم نہ بڑھاتے تھے - آنحضرت دشمنوں کے ساتھ بھی لطف و مدارات پیش آتے تھے جو شخص آپ کے ساتھ استہزا اور ٹھٹھا کرتا تھا آپ اُسے معاف کر دیتے تھے - آپ کی زندگی نہایت سادگی کے ساتھ بسر ہوتی تھی - کھانا پینا - کپڑا - اسباب بہت مختصر تھا - ابوہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت بارہا بھوکے سوئے ہیں - کبھی صرف کھجور اور پانی ہی پر بسر اوقات کی ہے - مہینوں آپ کے باورچیخانہ میں آگ روشن نہ ہوتی تھی -

بانی اسلام نے جو تعلیم اپنے مقلدوں کو دی ہے وہ کسی اور پیغمبر کو میسر نہ آئی آنحضرت نے بڑے زور سے ہدایت کی ہے کہ خدا تعالیٰ صرف ان لوگوں پر اپنی رحمت نازل کریگا - جو اُس کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی اور مہربانی سے پیش آئیں گے - ان لوگوں کو حُلہ ہائے بہشتی عطا فرمائے گا جو ننگوں کو کپڑے پہنائیں گے خیرات کی تشریح اس عمدہ پیرایہ میں کی ہے - جو واقعی قدر کے قابل ہے آپ نے فرمایا ہے کہ وہ شخص جو دہنے ہاتھ سے خیرات کرے اور بائیں ہاتھ کو پتہ نہ لگے - وہ سارے جہان کی خوبیاں حاصل کرے گا دنیا کے تمام کام جو نیک نیتی سے کئے جائیں خیرات میں داخل ہیں - اپنے بھائی کو دیکھ کر مسکرانا خیرات ہے محبت سے بھرا ہوا کلام خیرات ہے - بھولے ہوئے کو رستہ بتانا - اندھے کی رہبری کرنا - عام راستہ پر سے پتھر اٹھانا پیاسے کو پانی پلانا - یہ سب خیرات میں داخل ہیں - بقول مسٹر ارونگ "خیرات کی وضاحت جس قدر بانیٔ اسلام نے کی ہے کسی نے نہیں کی ہے"[1]

ابوجابہ نے ایک دفعہ حضرت محمد صلعم سے سوال کیا کہ بہتر سے بہتر نیکی کون سی ہے آنحضرت نے فرمایا کسی سے سخت کلام نہ کرو واقعی آپ کی تعلیم اسقدر مکمل اور قابل قدر ہے کہ اسمیں معمولی آداب سلام تک کی حدود قایم ہیں آنحضرت فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے مکان میں جاؤ تو مالک مکان کو آتے اور جاتے سلام علیک کہو راستہ میں ہر ایک شخص کے سلام کا جواب بخندہ پیشانی دو سوار کو واجب ہے کہ پیادہ شخص کو سلام علیک کہے چلتے ہوئے کو واجب ہے کہ بیٹھے ہوئے شخص کو سلام کرے - چھوٹا گروہ بڑے گروہ کو سلام کہے اور خرد کو بزرگ کے سلام کرنے میں ہمیشہ تقدیم واجب ہے -

---

[1] دیکھو کتاب محمد اور ان کی کامیابی مصنفہ واشنگٹن ارونگ مطبوعہ لنڈن

باب دوم امامت

جز کتاب اللہ و عترت ز احمد مرسل نماند
یادگارے کہ توان تا روز محشر داشتن

خدائے تعالےٰ کے آخری فرستادہ پیغمبر نے اپنی موت سے جہان کو عجیب حیرت میں ڈالا تھا۔ حضرت محمد صلعم کی شخصیت اور رسوخ اور آپ کے اعلیٰ روحانی مرتبے نے آپ کے مقلدین میں اس قدر گہرا اثر کیا تھا کہ آنحضرت کی موت پر لوگوں نے جلدی یقین نہیں کیا کیونکہ انہیں خیال تھا۔ کہ وہ وجود جس نے چند سال میں دنیا کی کایا پلٹ کر دی۔ کس طرح اس قانون قدرت کی زد میں آسکتا ہے جو دیگر بنی نوع انسان پر حادی ہے لیکن قرآن شریف کی یہ صورت صاف تھی کہ "اے محمدؐ تیرے لئے بھی موت ہے جس طرح تیرے سے پیشتر بہت سے موت کا شکار ہوئے"۔ آخر کار لوگوں کو آنحضرت کی موت کا یقین ہو گیا۔ لیکن عقیدت مند مسلمان یہ یقین رکھتے تھے کہ رحیم و کریم خدا اُن کی مذہبی رہنمائی کو اپنی امداد کے بغیر نہ چھوڑے گا۔ کیونکہ انہیں خدا تعالیٰ کا وہ کلام یاد تھا۔ کہ "ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی اس لئے اس کے پہنچنے میں کوئی شک نہ کرو کہ وہ بنی اسرائیل کی ہدایت کیواسطے بھیجی گئی۔ ہم نے بنی اسرائیل میں متعدد امام بھیجے تا کہ ہمارے حکم کے مطابق ہمارے بندوں کو ہدایت کریں"۔ بس۔ اسی رحم سے جو باری تعالےٰ نے بنی اسرائیل پر روا رکھا اسلام کو کیونکر محروم کر دیتا۔ چنانچہ اسی تسلسل سے بانیٔ اسلام نے بحکم خدا اپنے زمانہ حیات ہی میں حضرت علی کو امام برحق اپنا جانشین اور وصی مقرر فرمایا تھا جیسا کہ آنحضرتؐ نے ایک دفعہ آپ کی نسبت فرمایا تھا کہ "اے علی تم میرے لئے وہ ہو جو موسےٰ کے لئے ہارون تھا"۔

یہ باور کرنا اعلیٰ درجے کی غلطی اور سخت گناہ ہے کہ بانیٔ اسلام نے اپنی زندگی میں کسی کو اپنا جانشین منتخب نہیں کیا۔ کیونکہ بہت سی بدیہی شہادتیں ہمارے پاس موجود ہیں کہ آنحضرت نے صاف طور پر حضرت علیؑ کو اپنا وصی نامزد فرمایا۔ خصوصاً اول اس وقت جبکہ آنحضرت نے سب سے پہلے قریش کو دعوت اسلام دی۔ دوم اسوقت جبکہ آنحضرت قیصر روم کے برخلاف مہم پر جاتے ہوئے مدینے میں حضرت علی کو اپنا نائب چھوڑ گئے۔ اور آخری دفعہ خم غدیر کے موقع پر یہ واقعات اس قابل تھے کہ مسئلہ جانشینی کو جملہ مسلمانان بلا کسی اختلاف کے تسلیم کر لیتے۔ الا ثانی صرف یہ تھی کہ حضرت محمد صلعم اپنے زمانہ

رسالت میں عرب کے دنیوی حاکم بھی مانے گئے تھے آپ کی موت کے بعد صرف اس دنیوی حکومت نے بہت سے خود غرض لوگوں کو ترغیب اور تحریص میں ڈالدیا - اور بنی امیہ جن کو شروع سے خود مختارانہ حکومت کی بڑی خواہش تھی اس اختلاف سے اپنے لئے میدان صاف کرنا چاہتے تھے

بنی امیہ شروع ہی سے حضرت محمد صلعم اور اُن کے خاندان بنی ہاشم کے جانی دشمن اور حریف تھے ان لوگوں کو اس امر کا سخت قلق تھا کہ بانئ اسلام نے اسقدر رسوخ اور حکومت کیوں حاصل کر لی جبکہ وہ ان تجویزوں میں مصروف تھے کہ خود مکہ کے خود مختار بادشاہ بن جائیں - یہی وجہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے ان لوگوں نے اسلام اور بانئ اسلام کی سخت مخالفت کی تھی اور آنحضرت کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائی تھیں خصوصًا ابوسفیان اور اس کی بیوی ہندہ نے جو وحشیانہ سلوک مسلمانوں سے کئے وہ پوشیدہ نہیں فتح مکہ کے بعد محض پولیٹکل مصلحت سے گو انھوں نے اسلام تو قبول کیا - کیونکہ زمانہ کی رفتار ہی کچھ ایسی آ کر پڑی تھی کہ اُس کے خلاف چلنا وہ اپنی تباہی کا باعث سمجھتے تھے الا دین سے اُنھیں کچھ غرض نہ تھی حضرت پیغمبر خدا صلعم کے حیات کے زمانہ میں تو وہ اپنا دلی بخار نہ نکال سکے - مگر آنحضرت کے انتقال کے بعد مسئلہ جانشینی کو معرض اختلاف میں ڈالنے سے انہیں بہت کچھ کامیابی ہوئی - کیونکہ اس مسئلہ نے اسلام کو جو وہ باطن پسند نہ کرتے تھے - سخت صدمہ پہنچایا اور بہت سی خونریزی کا موجب ہوا - اگر حضرت علی شروع ہی سے اسلام کے دینی و دنیوی رہنما تسلیم کئے جاتے تو آج وہ تفرقہ پردازی جو اسلام میں باقی ہے - کبھی وقوع پذیر نہوتی اور بقول مسٹر سیڈلیٹ "اسلام اور مسلمانوں میں جو خلیج واقع ہو گئی ہے کبھی نہ ہوتی"[1]

ابھی بنی ہاشم اور حضرت محمد صلعم کے عزیز و اقربا آنحضرت کی تجہیز و تکفین سے فارغ نہوئے تھے کہ بنی اُمیّہ اور دیگر قریش میں خلافت کی بابت کھچڑی پکنی شروع ہوئی اس موقعہ کی نسبت مولانا روم صاحب فرماتے ہیں سے چوں صحابہ حُبّ دنیا داشتند + مصطفےٰ را بے کفن بگذاشتند اُس اجتماع سے جس میں بنی ہاشم اور خاندان رسول کا کوئی بہی خواہ موجود نہ تھا - قریش نے اپنی پورانی رسم کے مطابق حضرت ابوبکر کو جو سن رسیدہ اور لوگوں میں زیادہ گھُل مل چکے تھے - اسلام کا پہلا خلیفہ منتخب کر لیا - گو اسوقت بنی امیّہ کا کوئی ممبر خلیفہ نامزد نہیں ہوا - لیکن ہمیں کوئی شک نہیں کہ اُن کی یہ خواہش کہ اقتدار حکومت رسول اللہ کی اولاد سے دور رہے - بہت کچھ پوری ہو گئی - کیونکہ صاف ظاہر ہے کہ اُن خلفا نے جو بنی اُمیّہ

[1] دیکھو تاریخ عرب مصنفہ مسٹر لوئس پیری لوجین اپیلی سڈلٹ مطبوعہ پیرس ۱۲

اور قریش کی مدد سے تخت خلافت پر بیٹھے۔ کبھی حضرت علیؑ کے حقوق مدنظر رکھکر اپنا جانشین نامزد نہیں کیا اور اگر خلیفہ عثمان کے وقت عام مسلمان حکومت شخصی سے بیزار ہوکر متفق اللفظ حضرت علی کو اسلام کی جمہوری حکومت کا پریذیڈنٹ منتخب کر لیتے تو یقیناً حضرت علی کو خلافت کبھی نہ ملتی جو بنی امیہ اور دیگر قریش کی عین خواہش تھی۔ اس موقع کے لئے مولانا روم صاحب لکھتے ہیں ؎

تو نیاری کی علی را دیدہٗ زاں کہ غیراں را برو بگزیدہٗ

گو پہلے حضرت علیؑ نے اتمام حجت کے لئے اپنی امامت اور جانشینی کے متعلق نہایت فصاحت و بلاغت سے استدلال فرمایا حضرت خاتون جنت جناب فاطمۃ الزہرا نے خود برقع اوڑھ کر اپنے پیارے شوہر کے حقوق کو برقرار رکھنے کے لئے اس بحث اور مباحثہ میں بہت کچھ حصہ لیا جو اسوقت خلافت کے متعلق درپیش تھے اور قریش کو اُنکی غلطی سے متنبہ کرنا چاہا۔ جو وہ اپنے رسول کے نافرمانبرداری سے کر رہے تھے الا کمبخت دنیوی لالچ نے معاملہ رو بصلاحیت ہونے دیا حضرت علیؑ نے اخیر میں کمال بلند حوصلگی سے بہ مقتضائے محبت اسلام اس انتخاب میں زیادہ جد وجہد کرنی بدیں خیال پسند نہ کی کہ کہیں کشمکش ترقی اسلام کے سد راہ ہو اور مفت مسلمانوں کا خون نہ بہے علاوہ بریں وہ یہ خوب جانتے تھے کہ ان کی دینی رہنمائی میں دنیوی حکومت جسکی اُن کو بالکل پروا نہ تھی۔ کسی طرح رخنہ انداز نہ ہو سکے گی اس لئے آپ نے خاموشی اختیار کر لی۔ اور حضرت ابوبکر نے دنیوی حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔

حضرت علیؑ کو خلافت سے محروم کر دینے کے سبب مذہب اور حکومت دو علٰحدہ علٰحدہ چیزیں ہوگئیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تیرہ سو برس کے بعد یورپین مورخوں کو آج یہ موقع ملا کہ وہ اسلام پر یہ اعتراض کریں کہ مذہب اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا۔ بقول مسٹر آسنر[1] اگر حضرت علی کو حکومت کا موقع دیا جاتا تو آنجناب کی سچائی ثابت قدمی اور اعلیٰ اوصاف اسلام کی سادگی اور جمہوریت کو ہمیشہ برقرار رکھتی[2] اسوقت جبکہ حضرت علی ان اصولوں پر مذہب اسلام کی ترقی میں مصروف تھے جو اُس کے بانی کا منشا تھا اور اسلام کے سیدھے سادھے اصول بنی نوع انسان کے دلوں میں نشین کر رہے تھے حکومت نے خدا کے اس کلام کے خلاف کہ صرف اپنے آپ کو دشمنوں سے بچاؤ۔ اُن پر پہلے حملہ نہ کرو۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ جابروں کو پسند نہیں کرتا خالد بن ولید اور عصمہ جیسے سخت گیر اور ناخدا ترس جرنیلوں کی معرفت قرب وجوار ملکوں میں بڑا کشت وخون کیا۔

قریش اور بنی امیہ کو جو رسول اللہ سے دلی عداوت رکھتے تھے خاندان رسول سے حکومت کے چلے جانے پر

[1] دیکھو کتاب مذہب محمدیہ کے اثرات مصنفہ مسٹر کوزنڈ انگلبرٹ اوسنر مطبوعہ پیرس
[2] [illegible]

اپنے پرانے کینہ اور بغض کا بدلہ لینے کے لئے اچھا موقع ہاتھ آیا اور خلیفۂ اول سے ایسے غیر واجب فائدے اُٹھائے جو ہر ایک طرح قابل افسوس تنزم ہیں حضرت پیغمبر خدا کا تمام اندوختہ جو انھیں حضرت خدیجہ سے ملا یا رسالت سے پہلے انھیں ورانتاً پہنچا ۔ عام مسلمانوں کا مال تجویز کیا جاکر ضبط کر لیا گیا اور اُن کی بیٹی کو جنہیں آنحضرت نہایت عزیز رکھتے تھے آپکے مال سے کچھ حصہ نہ دیا ۔ علاوہ ازایں خاندان رسول کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائی گئیں ۔ گو حضرت علیؑ اپنے اعلیٰ صبر و تحمل سے ان تمام معاملات پر خاموش رہے ۔ لیکن رسول اللہ کی عظمت مآب بیٹی کو یہ بدعنوانیاں نہایت ناگوار گذریں نیز فطرۃً عورت ہونے کی وجہ سے آپ اس قدر ناقابل برداشت سختیاں نہ اُٹھا سکتی تھیں جسقدر کہ آپ کے شوہر نے برداشت کیں اس لئے حضرت خاتون جنت بارہا حضرت علیؑ سے اجازت لیکر حضوصاً باغ فدک کے معاملے میں خلیفہ اوّل کے پاس فریاد لیکر آئیں لیکن اُسپر کچھ التفات نہوا جو سلوک پیغمبر کی لخت جگر بیٹی حضرت خاتون جنت کے ساتھ روا رکھا گیا اُس کی مثال دیگر نبیوں کے شاگردوں میں کبھی نہ ملے گی غرضیکہ حضرت پیغمبر خدا کے انتقال کے بعد حضرت فاطمہ زہرا ظالم دشمنوں کے ہاتھ نہایت تنگ اور شب و روز اپنے شفیق باپ کے غم میں مصروف گریہ و بکا رہتی تھیں یہاں تک کہ نامساعدت زمانہ اور مخالف واقعات آپ کے قبل از وقت موت کا باعث ہوئے اور آپ رسول خدا کے انتقال کے تھوڑے ہی دنوں بعد رہ گرائے عالم بقا ہوئیں قالوا انا للہ و انا الیہ راجعون ۔

حضرت ابوبکر کا زمانہ خلافت کچھ زیادہ نہ تھا کیونکہ آپ دو ہی برس بعد انتقال فرما گئے اور وصیت کی ۔ کہ حضرت عمر آپ کی جانشین کئے جائیں ۔ اس تمام روئداد سے ہمکو بڑا تعجب ہے کہ وہ انتخاب کا اصول جس نے حضرت علیؑ کو جائز جانشینی سے محروم کر دیا ۔ اب کیوں نظر انداز کیا گیا ۔ اسوقت وصیت کی ایسی ہی قدر کی گئی جیسی کہ حضرت پیغمبر خدا کی وصیت کی بیقدری کی گئی تھی اس واقعہ سے ہمکو یہ پتہ ضرور لگتا ہے ۔ کہ ایک خاص متقدر جماعت جو اپنے آپ کو پیروان اسلام کہتی تھی فی الحقیقت اس بات پر آمادہ تھی کہ اسلامی جمہوریت اور اُس کی سادگی کا خاتمہ کر دے اور اس زبردست الٰہی مشن کی آڑ میں حکومت اور رسوخ حاصل کرے یہی وجہ تھی کہ وہ لوگ اپنے من مانے بادشاہ نامزد کرتے رہتے تھے یہ لوگ قرآن کی پاکیزہ تعلیم کو بالکل فراموش کر گئے تھے اور فتوحات کا ان میں خاص شوق ہو گیا تھا[1] وہ خوب جانتے تھے کہ حضرت علیؑ کو وہ اپنے ڈھرّے پر نہ لا سکیں گے اور اُن کے دل کی حسرتیں دل ہی

[1] دیکھو کتاب دی سارسنز مصنفہ مسٹر گلمن صاحب صفحہ ۲۲۲

میں رہ جائیں گی حضرت علیؓ اُن کی اولاد اور اُن کے مقلدوں نے ہمیشہ خونریزی اور جنگ وجدال سے نفرت کی اور حتی المقدور انسانی خون بہانے سے احتراز کیا اس کے یہ معنی نہیں کہ حضرت علی میں دلیری اور شجاعت کا مادّہ نہ تھا۔ کیونکہ یہ تو صاف عیاں ہے کہ اسلام کی ترقی اور حفاظت میں جسقدر آنحضرت نے حصہ لیا کسی مسلمان کو نصیب نہوا۔ بقول مسٹر کارلائیل۔ "نوجوان علی ایسا شخص تھا کہ بالضرور ہر شخص اُسکو پسند ہی کرے گا وہ ایک شریف النفس محبت سے بھرپور اور جوشیلا جانباز تھا اُس کی طبیعت میں کچھ ایسی دلیری تھی کہ شیر کی مانند بہادر تھا مگر باوجود اس کے مزاج میں ایسی نرمی۔ سچائی اور محبت تھی جیسی ایک عیسائی نائٹ کے لئے زیبا ہے" مگر حضرت علی سے بڑھ کر جو بانئی اسلام کے پیارے دوست۔ رشید شاگرد اور وفادار بھائی اور بیٹے تھے۔ رسول کی تعلیم کو کوئی نہ سمجھ سکتا تھا اس لئے۔ آپ کا مقولہ تھا کہ صرف مسلمانوں کے ذاتی افعال اور سیدھے سادھے اصول ہی برحق دین کو پھیلانے کے لئے کافی ہیں۔ آپ کا یہ بھی مقولہ تھا کہ کافروں کا خون مسلمانوں کے خون کے مساوی ہے اور آپ نے خدا کے اس حکم کی تعمیل میں کہ مذہب میں جبر کو دخل نہ دو ہمیشہ ملک گیری سے پرہیز کیا ایسی صورت میں وہ مسلمان جو دنیوی لالچ میں بھرپور تھے۔ کب حضرت علی کو پسند کر سکتے تھے۔ لیکن اُن کی یہ خواہش حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں ایک وسیع پیمانہ پر پوری ہوئیں کیونکہ عمرالعاص اور معاویہ جیسے لوگوں نے بیشمار انسانی جانیں تلف کر کے ممالک فارس۔ عراق اور مسوپٹیمیا فتح کر لی اور بقول مسٹر گلمن ۳۶ ہزار گاؤں شہر اور قلعے تباہ اور برباد کر دیئے۔

حضرت عمر نے اپنے بستر مرگ پر مدینہ کے ایسے چھ اشخاص خلیفہ کے انتخاب کرنے کے واسطے نامزد کئے جو حکومت کو خاندان رسالت سے دُور رکھنا چاہتے تھے۔ گو آپ حضرت علی کو بآسانی اپنا جانشین مقرر کر سکتے تھے جنھوں نے آپ کی خلافت کے زمانہ میں بہت سے نیک مشورے اور امداد دی تھی اور جسکی وجہ سے آپ ایک بڑی وسیع سلطنت پر خاصی کامیاب حکومت کر سکے کیونکہ یہ حضرت علیؑ کی ہی صلاح ومشورے کا نتیجہ تھا کہ آپ کے زمانہ خلافت میں اسلامی ممالک کی باقاعدہ سروے کی گئی۔ کاشتکاروں کو مالی نقصان سے بچایا گیا اور وہ بھاری معاملے جو شاہان فارس نے مالکان زمین پر لگائے تھے ترمیم کئے گئے نہریں اور تعدادی کی رسم جاری کی گئی وغیرہ وغیرہ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عمر زمانہ حیات میں حضرت علی کے ہر طرح مشکور رہے اور بارہا حضرت علی کو مدینہ میں اپنی جگہ چھوڑ کر بیرونجات کی مہم پر لئے

کیونکہ آپ بخوبی جانتے تھے کہ حضرت علی بوجہ اپنی شرافت ذاتی وملکوتی صفات کے کسی قسم کی سازش آپ کی گورنمنٹ کے مقابلہ میں نہ کر سکیں گے الاجب آپ کی جانشینی کا موقع آیا تو آپ حضرت علی کے تمام احسانات کو بھول گئے اور آپ نے وہ طریقہ اختیار کیا جس سے بنی امیہ کو حکومت کے غضب کرنیکا موقع لگیا۔ کاش کہ آپ اپنے نیک نہاد بیٹے عبداللہ المعروف بہ ابن عمر کو ہی اپنا جانشین نامزد کر جاتے تو بنی امیہ کی چال نہ چلتی ۔ لیکن کسی پوشیدہ خیال نے آپ کو ایسا نہ کرنے دیا

جیسا کہ امید تھی ان منتخب کنندوں نے خلافت کے لئے ایک ایسی شرط پیش کی جس کو وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ حضرت علی کبھی منظور نہ کریں گے وہ شرط یہ تھی کہ علاوہ احکام خدا ورسول کے خلیفہ اپنے سے پہلے دو خلفا کے قدم بقدم چلے گا ۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے اعلیٰ درجے کی اخلاقی جرات کے ساتھ اپنے ضمیر کے خلاف کرنا پسند نہ کیا اور قبول خلافت سے انکار کر دیا کیونکہ حضرت علی کو جو نمونہ اخلاق و سلطنت بعینہ پیغمبر خدا سے پہنچے تھے اُن پر آپ کا ایک پیش رو خلیفہ بھی قادر نہ تھا ۔ بنی امیہ کی شرارت پھر حضرت علی کو خلافت سے محروم رکھنے کے لئے کامیاب ہو گئی اور چند دنوں کے مباحثہ کے بعد خلافت اُن کی خواہش کے مطابق اُن کے خاندان کے ایک ممبر حضرت عثمان کو دی گئی جو آخر کار اسلام کی تباہی کا باعث ہوئی ۔

حضرت عثمان اگرچہ ایک دیندار شخص تھے لیکن بوجہ پیرانہ سالی وتلون مزاجی ہرگز خلافت کے لائق نہ تھے آپ لائی لگ زیادہ تھے اس لئے جلدی ہی اپنے عزیز واقربا کے ہاتھ میں کاٹھ کا پتلا بن گئے بقول مسٹر ڈوذی عثمان انتخاب خلافت کے لئے ناموزوں تھے گو یہ صحیح ہے کہ وہ دولتمند اور روزے نماز کے پابند تھے ۔ اُن کی طبیعت ملایم اور سادہ تھی تاہم وہ کوئی مادہ نہ رکھتے تھے اور پیرانہ سالی کی وجہ سے ضعیف العقل ہو گئے تھے اُن کی کم جراتی کا یہ حال تھا کہ جب منبر پر کھڑے ہوتے تو اس شش و پنج میں رہ جاتے تھے کہ خطبہ کس طرح شروع کریں بدقسمتی سے ان معمر خلیفہ کو اپنے بھائی بندوں سے بڑا انس تھا اور یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے متواتر بیس سال تک بانئ اسلام کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں تھیں اور آنحضرت کے خلاف جنگیں کی تھیں ان لوگوں نے جلدی ہی عثمان پر قابو پا لیا ۔ عثمان کا چچا ہشام اور اُس کا بیٹا مروان درحقیقت ملک پر حکومت کرتے تھے اور عثمان برائے نام خلیفہ تھے بہت سی ذمہ داریوں کے کام وہ خود سرانجام دیتے تھے ۔ جن کی

خلیفہ کو کوئی خبر ہوتی تھی ان دونوں کے اور خصوصاً باپ کے مسلمان ہونے میں بہت کچھ شک تھا مروان تو فتح مکّہ کے وقت مسلمان ہوا تھا اور اس جرم میں کہ اُس نے سلطنت کے راز افشا کر دیئے تھے معتوب ہو کر جلا وطن کیا گیا تھا ابوبکر اور عمر نے حکم پیغمبر کی تعمیل کی لیکن عثمان نے اس کی برخلاف نہ صرف حکم کو واپس بلایا بلکہ ایک لاکھ روپیہ بیت المال سے دیا اور ایک بڑا زمین کا قطعہ جو مسلمانوں کی ملکیت تھی اُسے عطا کیا۔ خلیفہ سوم نے مروان کو اپنا سکرٹری اور وزیر مقرر کیا۔ نیز اپنی لڑکی کی شادی اُس سے کر کے ملک افریقہ کے زر و جواہر سے مالا مال کر دیا[1] حضرت عثمان نے اُن تمام گورنروں کو جو بانی اسلام کے خاص صحابی اور خلیفۂ اول و دوم کے مقرر کردہ تھے۔ عہدوں سے معزول کر کے اُن کی جگہ ایسے خود غرض اور جفا شعار لوگ بھرتی کئے۔ جن سے اسلام کو سخت لاج لگی۔ اسلام کے وہ دو بڑے جانی دشمن جنھوں نے جنگ احد میں کمال شقاوت قلبی دکھائی تھی۔ یعنی ابوسفیان اور ہندہ کے بیٹے معاویہ کو آپ نے شام کا حاکم مقرر کیا اور عبداللہ بن صرع کو گورنری مصر عطا کی۔ یہ عبداللہ کسی وقت میں آیات الٰہی کا کاتب الحروف اور جناب پیغمبر خدا کا سکرٹری تھا اور ایسا مجسم شیطان تھا کہ جب آنحضرت اُس کو الہام تحریر کراتے تو اُن میں بعض الفاظ حذف کر کے الہام کو بے معنی بنا دیتا تھا۔ اُس کی یہ شرارت کھل گئی اور وہ خوف سے مفرور ہو کر دوبارہ بت پرستی میں منہمک ہو گیا تھا ولید جو خلیفہ کا رشتہ میں بھائی تھا۔ کوفے کا گورنر نامزد کیا گیا اس کے باپ نے حضرت پیغمبر خدا صلعم کو بہت سی تکلیفیں پہنچائی تھیں اور ایک دفعہ آنحضرت کی جان پر بنا دی تھی یہ ولید اعلیٰ درجہ کا شراب خوار اور زانی تھا جس کی زندگی مسلمانوں کے لئے باعث شرم ہے یہاں تک کہ ولید ایک دفعہ صبح مسجد میں نماز پڑھانے گیا تو وہ شراب میں اسقدر مخمور تھا کہ سیڑھیوں ہی پر سے اس نے لڑھکنی کھائی جب نمازیوں نے اسے اُٹھانا چاہا تو انھیں جھٹک دیا اور لڑکھڑائی ہوئی آواز میں ایک اور جام شراب طلب کیا اس قسم کے لوگ تھے جو خلیفہ کے آوردے اور مقرب خاص بنے ہوئے تھے غرضیکہ بنی امیہ کے یہ گورنر اپنے اپنے صوبوں میں سختی اور ظلم کے ساتھ مال و دولت جمع کرنے کے لئے گھیال کی طرح جا پہنچے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کے تمام حصوں سے شکایات کا طومار بندھ گیا اور چاروں طرف سے فریاد و فریاد کا شور و غل ہونے لگا جو لوگ خلیفہ کے پاس دادرسی کے لئے آتے اُن کی کچھ شنوائی نہ ہوتی۔ آخر کار غریب مسلمان ان نالائق گورنروں کے ہاتھوں اسقدر تنگ آ گئے کہ سوائے بغاوت کے کچھ چارہ نہ رہا۔ تقریباً بارہ ہزار آدمیوں کا گروہ بسرکردگی محمد بن ابوبکر مدینے میں اس غرض سے آیا کہ خلیفہ سوم سے اُن کے بھائی بندوں کے ظلم و ستم کی فریاد کرے اور داد چاہے اب حضرت عثمان کو بڑی مشکل درپیش آئی ان لوگوں کے شور و شغب نے آپ کو سخت گھبراہٹ اور پریشانی میں ڈال دیا

[1] دیکھو کتاب ہسٹری مسلمانان ہسپین مصنفہ مسٹر ڈ پیپر اینٹی دوزی مطبوعہ پیرس ۱۲

گو اس سے قبل آپ نے حضرت علیؑ کی نصیحت پر عمل نہ کیا تھا لیکن اس موقع پر سوائے داماد رسولؐ کی امداد کے آپ کو کچھ کرتے دھرتے بن نہ آتا تھا اس لئے آپ نے حضرت علی سے استدعا کی کہ آنحضرت اس آگ کو کسی طرح سے فرو کریں۔ باوجودیکہ آگ کے شعلے بہت بلند ہو چکے تھے۔ تاہم حضرت علیؑ نے بمقتضائے ہمدردی اسلام ان بپھرے ہوئے لوگوں کو یہ سمجھا کر اور وعدہ دے کر کہ اُن کی فریاد پر غور ہوگا واپس کر دیا ابھی وہ لوگ مدینے سے ایک پڑاؤ بھی واپس نہ گئے تھے کہ راستے میں کسی طرح انھیں ایک خط مل گیا جس پر خلیفہ کی مہر ثبت تھی اور جس کا مضمون یہ تھا کہ شقی القلب معاویہ ان لوگوں کو ایک ایک کر کے تہ تیغ کرے۔ اس خط کو دیکھ کر وہ لوگ اس قدر غیظ و غضب میں آ گئے کہ اُلٹے پاؤں مدینے واپس آکر حضرت عثمان کے مکان میں گھس گئے۔ اور آپ کو قتل کر دیا ایسے نازک وقت میں جبکہ حضرت عثمان دشمنوں کے نرغے میں پھنسے ہوئے تھے کل بنی اُمیّہ آپ کو چھوڑ کر شام کی طرف بھاگ گئے۔ جہاں اُن کا رشتہ دار معاویہ گورنر تھا۔ لیکن حضرت علیؑ نے بڑی دلیری سے آپ کی حفاظت کی یہاں تک کہ آپ نے اپنی دونو صاحبزادوں کو حضرت عثمان کے مکان پر بطور سنتریوں کے کھڑا کر دیا اور اگر قاتل مکان کی دوسری طرف سے پھلانگ کر حضرت عثمان کو قتل نہ کر دیتے تو یہ ناممکن تھا کہ حضرت علیؑ خلیفہ سوم کو قتل ہونے دیتے۔

بانی اسلامؐ کے انتقال پُر ملال کے بعد حضرت علیؑ کا عموماً یہ شیوہ رہا کہ گو آپ نے ہر ایک پیشرو خلیفہ کو نیک مشورہ اور ہدایتوں سے کبھی محروم نہ رکھا جس کے وہ ہمیشہ مشکور رہے۔ نیز اپنی اعلیٰ لیاقت اور وسیع معلومات کی وجہ سے ملکی کونسل میں ایک ممتاز ممبر رہے تاہم دنیوی جھگڑوں سے علیحدہ ایک آزاد زندگی بسر فرماتے رہے اس وقت جبکہ دنیا پرست لوگ توسیع گورنمنٹ کی فکر میں لگے ہوئے تھے آنحضرت مدینے میں بیٹھے ہوئے اس امر کی کوشش میں سرگرم تھے کہ عربی نسل کی دماغی اور روحانی حالت میں تغیر پیدا کریں۔ چنانچہ مدینہ کی مسجد نبوی میں حضرت علی اور آپ کے شاگرد عبداللہ ابن عباس ہر ہفتہ علوم فلسفہ، منطق، قانون و تاریخ میں لکچر دیتے اور نہ صرف اہل مدینہ بلکہ اُن تمام لوگوں کو جو دور دراز ملکوں سے حصول تعلیم کی غرض سے مدینہ میں آتے تھے مستفید فرماتے تھے۔ اس درس و تدریس کے سلسلہ نے وہ بہترین اسلامی تحریک پیدا کی جو بعد میں بغداد کے علم و فضل کی بنیاد ثابت ہوئی اور جس نے مہذب دنیا کو عظیم الشان فائدہ پہنچایا۔

بقول ایک فرانسیسی سیاح "زوج فاطمہؑ نہ صرف وراثتاً حقدار خلافت تھے۔ بلکہ آپ میں وہ تمام قابلیتیں موجود تھیں جو انتخاب کے لئے لازمی ہیں۔ ہر ایک شخص یہ خیال کر سکتا ہے کہ آپ کی اعلیٰ اور پاکیزہ ناموری

کے سامنے کل مسلمان سرِ تسلیم خم کرتے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ شروع ہی سے آپ بنی امیہ کے بغض و حسد کا نشانہ
بنے رہے اور اسی علی دیانت و صاف باطنی کے سبب جس کے لئے آپ خاص طور پر ممیز تھے آپ کی ہمیشہ مخالفت
ہوتی رہی۔ سب سے بڑی وجہ قریش کو آپ سے دشمنی کی یہ تھی کہ بانیٔ اسلام کے ابتدائی زمانہ نبوت میں
آپ نے اعلیٰ جوانمردی اور وفاداری سے پیغمبر خدا کا ساتھ دے کر متواتر اہل قریش کو نیچا دکھایا تھا
اور اُن تمام لڑائیوں میں جو اسلام کو صدمہ پہنچانے کے لئے قریش اور بنی اُمیہ نے کیں حضرت علی نے سب سے
پہلے رجز کا جواب دیا اور دشمنوں کے مُنہ پھرا دئے۔ گو اب بہت سے قریش اور بنی امیہ خاص مصلحت کی وجہ سے
دائرہ اسلام میں آچکے تھے لیکن انھیں وہ ندامتیں نہ بھولیں تھیں جو حضرت علیؑ کے تہوّر و شجاعت کی وجہ سے انھیں
پہنچی تھیں۔ ورنہ آپ کا تحمّل نیکی اور مصلحت آمیز طبیعت ہرگز اس قابل نہ تھی کہ کوئی متنفس بھی آپ کا مخالف ہو۔
حضرت عثمان کے افسوس ناک قتل کے بعد مسلمانوں کی عام رضامندی اور شور و پکار سے حضرت علی خلیفہ منتخب ہوئے
بقول مسٹر آکلےؔ یہ نامور خلیفہ بلحاظ اپنی جراءت خصلت۔ عفت اور فہم و فراست کے نہایت عظیم المرتبہ لوگوں میں
سے تھا جو امت اسلامان میں کبھی پیدا ہوا ہو۔ حضرت علیؑ پہلے اور حضرت امام حسن آخیر خلیفہ تھے جن کا انتخاب
اسلامی جمہوریت کے قواعد کے عین مطابق ہوا۔ یعنی عام مسلمانوں نے آپکو نامزد کیا۔
حضرت علی اپنی معمولی سادگی کے ساتھ مسجد میں تشریف لائے اور ہزاروں مسلمانوں کی بیعت قبول فرما کر آپ نے
نہایت فراخ حوصلگی سے فرمایا کہ اے مسلمانو اگر تم کوئی اور بہتر شخص پسند کرتے ہو۔ تو میں اس ظاہری خلافت
سے کنارہ کشی اختیار کرنے کے لیے بالکل تیار ہوں۔ اس کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اُن تمام نالائق گورنروں
کو جنہیں حضرت عثمانؓ نے مقرر کیا تھا۔ یک قلم برخاست کر دیا اور وہ تمام جایداد اور زمینیں جو خلیفہ سوم نے
پبلک کو نقصان پہنچا کر اپنے بھائی بندوں میں تقسیم کیں تھیں۔ اُن سے واپس لے کر پبلک کو واگذار کر دیں
اور حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت کی وہ تقسیم اراضی جو اہالیان فوج کو خوں ریزیوں کے صلے میں عطا کی گئی
تھیں۔ اُن سے واپس لے کر عام مسلمانوں کو دیدیں۔ یہ منصفانہ احکامات ایسے تھے جن سے خواہ مخواہ
وہ لوگ جو دنیا طلب اور آسانی پسند ہو گئے تھے اور جنھوں نے سابقہ حکومتوں میں بہت کچھ فائدے اُٹھائے
تھے۔ ناراض ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علی کے دوران خلافت میں متعدد سرکشیاں اور بغاوتیں
بلند ہوئیں۔ جو اس بات کا بدیہی ثبوت ہے۔ کہ لوگوں میں صلاحیت کا بہت کم مادّہ باقی رہ گیا تھا۔
حضرت علیؑ علیہ السلام کے چند صلاحکاروں نے آپ سے عرض کی کہ جب تک آپ کی خلافت کو کافی استحکام

؎ مسٹر سیڈلیٹ

ہوجائے آپ ان گورنروں کو جو اپنی اپنی جگہ بہت سا مال و دولت جمع کر کے صاحب عروج و اقتدار ہو گئے ہیں علیحدہ نہ کریں۔ لیکن ہیرو آف اسلام[1] نے بلا خوف و خطر ہر ایک ایسے فعل کے کرنے سے جو اصول انصاف اور عدالت گستری کے خلاف ہو۔ انکار کر دیا۔ خواہ انہیں آپ کو کتنی ہی دقتوں کا سامنا کیوں نہ ہو چنانچہ موقوف شدہ گورنروں میں سے کئی بلا جد و جہد اپنی صوبوں سے واپس چلے آئے۔ لیکن معاویہ بن ابو سفیان جو شام کا گورنر تھا اور جس نے اپنے صوبہ میں بہت سی دست درازیاں کر کے بیشمار دولت جمع کر لی تھی جسے اپنی فوج پر تقسیم کر کے وہ ایک بڑی جماعت جنگی کا سپہ سالار بن بیٹھا تھا۔ واپسی سے انکار کر دیا اور بغاوت اختیار کر لی انہی دنوں میں حضرت علی کو ایک اور مشکل یہ پیش آئی کہ طلحہ اور زبیر جو قریش کے دو بڑے ممتاز ممبر تھے۔ آپ سے اسلئے ناراض ہو گئے کہ آپ نے انھیں بصرہ اور کوفہ کی علی الترتیب گورنری دینے سے انکار فرما دیا تھا پہلے یہ لوگ حلف وفاداری کو فراموش کر کے مکے بھاگ گئے اور بعد ازاں عراق جا پہنچے اس جگہ حضرت عائشہ بھی ان کے ساتھ شامل گئیں۔

خلیفہ اول کی بیٹی حضرت عائشہ جنھوں نے پچھلے خلفا کے انتخاب میں بہت مدد دی تھی اور اب آخری دفعہ حضرت علی کو خلافت سے محروم کرنے کے لئے ناکامیاب ہی تھیں۔ حضرت خدیجہ کی اولاد سے بغض للہ رکھتی تھیں یہی وجہ تھی کہ یہ خاتون طلحہ اور زبیر کے ساتھ شامل ہو کر خلیفہ اسلام کی خلاف جنگ پر آمادہ ہو گئیں وہ باغی لوگ جو ان تینوں کی معاونت میں جمع ہو گئے تھے۔ حضرت علی پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ ہوئے۔ لیکن حضرت علی نے کمال رحم و ہمدردی سے مختلف ذرائع کے ساتھ انھیں نصیحت اور ہدایت کی کہ وہ اس خانہ جنگی سے باز آئیں اور مفت میں لوگوں کا خون نہ بہے۔ لیکن آپ کی نصیحت کا کچھ اثر نہ ہوا۔ یہاں تک کہ آپ نے ایک دفعہ اپنا چچا زاد بھائی عبد اللہ ابن عباس کو حضرت عائشہ کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ وہ اپنے ان ناواجب ارادوں سے روگردانی کریں۔ لیکن حضرت عائشہ کی دشمنی اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ انھوں نے بذات خود اونٹ پر سوار ہو کر باغیوں کی سپہ سالاری کا ارادہ کیا اور آپکی نہ مانی۔ آخر کار جنگ ہوئے بغیر نہ رہی اور مقام خریبہ باغیوں کو شکست فاش ہوئی۔ طلحہ و زبیر لڑائی میں مارے گئے اور حضرت عائشہ کو میدان جنگ میں زندہ گرفتار کرنے کے لئے حضرت علی کی فوج کو بڑی دقت درپیش ہوئی۔ کیونکہ آپ کا حکم تھا کہ حضرت عائشہ کو کوئی صدمہ نہ پہنچے۔ اس لئے کئی ایک نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر اس اونٹ کی ٹانگیں کاٹ دیں جس پر حضرت عائشہ سوار تھیں اور اس طرح آپ زندہ گرفتار کی گئیں حضرت علی نے آپ کو نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ

[1] یہ خطاب میجر اوسبرن نے اپنی کتاب اسلام انڈر دی عربیا میں حضرت علی کی شان میں استعمال کیا ہے

واپس مدینہ بھیج دیا اور ہدایت کی کہ آئندہ اپنے گھر سے باہر نہ نکلیں اور ذکر خدا میں مشغول رہیں
اس بغاوت کے فرو کرنے کے بعد حضرت علیؓ نے شام کا رخ کیا اور مقام صفین میں معاویہ کی فوج کے مقابل خیمہ زن ہوئے آپ نے اپنی طبعی رحم و صلح جوئی کے اقتضا سے بڑی کوشش اس امر کی کی کہ یہ بغاوت بلا خونریزی کے فرو ہو جائے۔ لیکن معاویہ اپنے غرور میں تھا اس نے ایسی شرائط کیں جو قبول کرنے کے قابل نہ تھیں اس پر آپ نے یہ چال کہ بلا وجہ مسلمانوں کا خون نہ بہے یہ تجویز پیش کی کہ بنی امیہ میں سے کوئی ایک شخص آنحضرت کیساتھ کشتی کرکے تنازعہ کا فیصلہ کرے لیکن ان نامردوں میں سے ایک کو بھی جرأت نہ ہوئی اور صرف جنگ پر اڑے رہے باوجود بنی امیہ کی ہٹ دھرمیوں کے حضرت علیؓ نے اپنی افواج کو یہ حکم دیا تھا کہ حملہ میں پیشقدمی نہ کریں مفرور کا تعاقب نہ کریں اور اسیران فوج کے ساتھ عزت و اخلاق کا سلوک کریں۔
حضرت علیؓ کے بہادر لفٹنٹ ملک الاشتر نے باغیوں کو مقام صفین میں متواتر شکست ہائے فاش دیں اور ان کے چھکے چھڑا دئے۔ معاویہ میدان جنگ سے بھاگنے کو طیار ہی تھا کہ اس کے دوست عمر العاص نے اسکو تباہی سے بچا دیا اور یہ شرمناک چال کھیلی کہ فوج کی ڈھالوں اور نیزوں پر قرآن شریف کی نقلیں بند ہوا کر امان کی درخواست کی حضرت علیؓ کی فوج نے فوراً لڑائی بند کر دی اور عمر العاص کی سازش سے ثالثی پر فیصلہ کیا جانا تجویز ہوا حضرت علیؓ نے یہ فرمایا کہ قرآن شریف کو بیچ میں لانا محض معاویہ کی بدطینتی اور چال بازی ہے کیونکہ اب اسکو موت کے پھندے سے نکلنا محال ہے۔ لیکن حضرت علی کی اپنی فوج نے لڑائی جاری رکھنے سے انکار کر دیا اس لئے آنحضرت بھی فیصلہ ثالثی پر رضامند ہو گئے
جنگ ملتوی ہوئی ملک الاشتر واپس بلائے گئے اور وہ تمام فتوحات جو حضرت علی کو ہو چکی تھیں اس طرح خاک میں مل گئیں۔ ان غدار لوگوں نے جو تجویز ثالثی کا موجب ہوئے تھے حضرت علی پر یہ زور بھی دیا کہ ابو موسیٰ اشعری کو اپنی طرف سے ثالث مقرر کریں جو درپردہ آپ کا دشمن اور بیوقوف آدمی تھا۔ اسکا مقابلہ عمر العاص جیسے مکار اور چالاک شخص سے ہوا جو معاویہ کی طرف سے ثالث مقرر کیا گیا تھا دراصل معاملہ یہ تھا کہ معاویہ اور عمر العاص دونوں باہم شیر و شکر تھے اور متفقہ بنی نوع انسان کو تباہ و برباد کرنا چاہتے تھے چونکہ ان کی خواہش حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں پوری ہونی مشکل تھی اس لئے اپنا راستہ صاف کرنا چاہتے تھے
ثالثوں کے تقرر کے بعد حضرت علیؓ کوفہ کو اپنی فوج لے کر واپس لوٹ آئے یہاں وہ لوگ جو پہلے فیصلہ ثالثی پر بہت زور دیتے تھے۔ اب اس سے بالکل برخلاف ہو گئے اور فیصلہ ثالثی کی منظوری دینا گناہ پر

منسوب کرنے لگے ان لوگوں نے عام طور پر بغاوت اختیار کی اور مقام نہروان پہنچکر خطرناک صورت اختیار کرلی سپاہیوں نے ڈیوٹی پر حاضر ہونے یا خاموشی سے تتر بتر ہو جانے سے انکار کر دیا اس لئے مجبوراً حضرت علیؑ کو ان خارجیوں پر حملہ کرنے کا حکم دینا پڑا جس کی تاب مقاومت نہ لاکر وہ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے یہ فرقہ اصول اسلامی سے بھی بعد میں منحرف ہو گیا اور زمانہ مستقبل میں ان لوگوں نے اسلام میں بڑی بڑی رخنہ اندازیاں کیں۔

جبکہ مشرق میں یہ واقعات ظہور پذیر ہو رہے تھے مقام دومۃ الجندل حضرت علیؑ کا مقررہ ثالث ابوموسیٰ اعلیٰ درجہ کا نمک حرام ثابت ہوا اسکو عمرو العاص نے یہ پٹی پڑھائی کہ امن اسلام کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کو خلافت اور معاویہ کو گورنری شام سے علیحدہ کر دیا جائے اور یہ کہ ابوموسےٰ حضرت علیؑ کی علیحدگی کا اور عمرو العاص معاویہ کی معزولی کا اعلان کر دیں اس کی یہ چال چل گئی اور ابوموسےٰ نے جھٹ منبر پر چڑھ کر حضرت علیؑ کی علیحدگی کا اعلان کر دیا اور اس طرح اکڑتا ہوا اترا جیسے اس نے بڑا تیر مارا۔ اس کے بعد عمرو العاص مسکراتا ہوا منبر پر چڑھا اس نے حضرت علیؑ کی علیحدگی کی تائید کر کے آپ کی جگہ معاویہ کی خلافت کا اعلان کیا۔ اب بیچارہ ابوموسیٰ منہ دیکھتا رہ گیا بنی فاطمہ نے اس ناواجب فیصلے کے تسلیم کرنے سے قطعی انکار کر دیا اور بنی امیہ کی شرارت نے بنی فاطمہ کو ان سے ہمیشہ کے لئے علیحدہ کرا دیا ابوموسےٰ مدینے کو چلا گیا جہاں تا عمر تک غداری کے صلے میں معاویہ سے اسکو پنشن ملتی رہی

اس کے بعد معاویہ پر چند ایک فوج کشیاں کی گئیں۔ لیکن حضرت علیؑ کو مشرقی سرحد پر بہت سی دقتیں درپیش تھیں اس لئے آپ کافی فوج معاویہ کے برخلاف نہ بھیج سکے اور معاویہ نے شام میں ہی اپنے آپ کو محفوظ نہ کر لیا۔ بلکہ مصر پر بھی قبضہ کر کے خلیفہ بن بیٹھا اور بہت سے مسلمانوں کو جو اس کے سدراہ ہوئے زہرہ خنجر سے ہلاک کر ڈالا

کچھ دنوں بعد حضرت علیؑ خود ایک بیرحم ظالم کے ہاتھ شہید ہوئے جس کی کیفیت یہ ہے کہ خوارج میں سے ایک شخص عبدالرحمان ابن ملجم کوفے میں آکر رات کو ایک بدکار عورت کے گھر شب باش ہوا اور حضرت علیؑ کے قتل کا ارادہ کیا ٹھیک اس وقت جبکہ ابھی اندھیرا تھا اور صبح صادق بھی نمودار نہ ہوئی تھی وہ مسجد کوفہ میں بحالت ناپاکی داخل ہو کر ایک گوشہ میں اوندھا ہو کر لیٹ رہا حضرت علیؑ حسب دستور جب نماز صبح ادا فرمانے کے لئے مسجد میں تشریف لائے تو آنحضرت نے اس ملعون کو اس بیہودہ طرح لیٹا ہوا

دیکھ کر آواز دی کہ "اے شخص اُٹھ اور فریضہ الٰہی ادا کر" یہ کمبخت بغل میں خنجر لئے ابھی کلبلا ہی رہا تھا کہ آنحضرت مصروف نماز ہوگئے اور آپ ابھی سجدے سے فارغ ہوئے تھے کہ اس ملعون اور ظالم شخص نے ایک ایسی ضرب شمشیر آنحضرت کے سراقدس پر ماری کہ آپ سجدہ میں بیہوش ہوگئے۔

اس حادثے نے اسلامی دنیا میں ایک تہلکہ ڈالدیا اور عام مسلمانوں کو ایک سخت صدمہ محسوس ہوا قاتل گرفتار ہوکر قید خانے میں بھیجا گیا لیکن تین شبانہ روز اس زخم کے بعد حضرت علی زندہ رہے جو کھانا آپ خود کھاتے وہی اپنے قاتل کو بھی بھیجتے تھے آپ کی سخاوت۔ فیاضی اور رحمدلی کی ایک بے مثل نظیر یہ ہے کہ آپ نے حسنین علیہم السلام کو اپنی زندگی ہی میں یہ وصیت کی کہ قاتل کو صرف ایک ہی ضرب شمشیر سے قتل کیا جائے کیونکہ اس نے بھی ایک ہی وار کیا ہے۔

آخر کار زہر سے بجھے ہوئے خنجر نے اسلام کی امیدوں پر پانی پھیر دیا اور تین روز کی علالت کے بعد وہ پاک روح دنیا سے اُٹھ گئی جس سے اسلام کی تمام بہبودیاں وابستہ تھیں۔ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون بقول کرنل اسپرن۔ اُمت اسلامیہ میں سے نیک ترین شخص جس کی یادگار ہمیشہ کے لئے باقی رہے گی اس دنیا سے سفر کر گیا[1]۔

حضرت علیؓ اعلیٰ درجہ کے رحمدل بردبار اور فیاض تھے کمزور اور مصیبت زدوں کی امداد اپنا خاص فرض جانتے تھے آپ کی ساری زندگی اسلام کی معاونت میں صرف ہوئی اگر آپ کی طبیعت میں بھی حضرت عمر جیسی سیاست ہوتی تو یقیناً آپ عرب کی مجہول قوم کی حکومت کے لئے زیادہ موزوں ثابت ہوتے۔ لیکن افسوس آپ کی سیرچشمی۔ ملائمت۔ رحمدلی۔ انسانیت اور سچائی کو آپ کے دشمنوں نے اچھی طرح نہ سمجھا۔ اور آپ کے اوصاف کی قدر نہ کی۔

حضرت امیر علیہ السلام کی رنگت سرخ سفید تھی اور آپ کا قد بہت ملیانہ تھا لیکن آپ نہایت متناسب الاعضا اور قوی الجثہ تھے آپ کی آنکھوں سے کمال رحم اور ملائمت ٹپکتی تھی آپ کا تہور۔ شجاعت اور انسانیت عام طور پر ضرب المثل ہے باوجود تیرہ سو سال گذرنے کے حضرت علیؑ کی اعلیٰ قابلیت اور علمی تحقیقات نے موجودہ مہذب دنیا کی بے انتہا تعریفیں حاصل کی ہیں۔ مسٹر آسبرن نے اپنی کتاب مذہب محمدیہ کے اثرات میں حضرت علیؑ کی بیحد تعریف کی ہے[2]۔ آپکو شجاعت مجسم اعلیٰ فیاض اور بہادر لکھا ہے۔ آپ کی پاکیزگی شرافت اور علمیت کی نہایت تعریف کی ہے ایک مئورخ بردہ لکھتا ہے کہ آنحضرت نے بلا خوف وخیال مخالفت دنیا میں اعلیٰ قابل

[1] دیکھو کتاب اسلام انڈر دی عرب مصنفہ کرنل اوسبرن [2] دیکھو کتاب دی کلیس ڈی لا ریجین دی محمد مصنفہ مسٹر کونر ہ انگریٹ اولسنہ مطبوعہ ۱۸۸۸

تعریف مثال اپنی عادت وخصلت کی پیدا کی ہے آپ کی سرگرمی نے جو پیغمبر خدا کی مثل تھی اسلامی دنیا کی حفاظت کی اور آنے والے زمانہ کے لئے اعلیٰ جوہر پیدا کرے۔

حضرت علیؑ کی بہادری اور شجاعت کی بیشمار داستانیں قاہرہ سے لیکر دہلی تک مشہور ہیں۔ کس طرح جنگل میں ایک اجنبی کو شیر کے پنجے سے نقاب پوش نے رہائی دی اور کس طرح ایک غریب عورت کو جو اپنے خاوند کے ساتھ قزاقوں کے پھندے میں گرفتار ہو گئی تھی حضرت مشکلکشا نے بچایا وغیرہ وغیرہ شجاعت عرب کی یہ داستانیں جو سب سے بڑے ہیرو حضرت علیؑ کی نسبت مشہور ہیں۔ اس بات کا بدیہی ثبوت ہیں کہ عام مسلمانوں اور اہل عرب میں آنحضرت کی کیا قدر و منزلت تھی آپ اپنی بے مثل شجاعت اور کبھی نہ مغلوب ہونے والی طاقت کی وجہ سے شیر خدا و الغالب مشہور تھے۔ مسعودی[1] آپ کے تمام اوصاف کا مجموعہ اس طرح کرتا ہے کہ "حضرت علی سب سے پہلے مسلمان پیغمبر خدا کے ہر ایک مصیبت کے رفیق بانی اسلام کی تعلیم کے بہترین واقف رسول اللہ کے نہایت ہی قریبی رشتہ دار منکسر و منصف مزاج۔ دیانت داری۔ پاکیزگی۔ سچائی اور محبت سے بھرپور فلسفے اور قانون کے ماہر غرضیکہ سب سے بہترین مسلمان تھے کوئی مثال آپ کی سوائے پیغمبر آخرالزمان کے آپ سے قبل اور مابعد امت اسلامیہ میں نہیں ملتی۔ خدائے تعالیٰ نے آپ کو بہترین اوصاف عنایت فرمائے تھے"[2]

حضرت علیؑ نے اپنے بستر مرگ پر اپنے تمام اوصاف اور وہ تمام علوم سینہ بسینہ جو آپ کو پیغمبر خدا سے پہونچے تھے اپنے پیارے صاحبزادوں حضرت حسنینؑ علیہم السلام کو تعلیم کئے اور انہیں اعلیٰ صبر سچائی اور شکر مزاجی کی تلقین کی۔

اگرچہ حضرت علیؑ کا زمانہ خلافت بد اندیش اور فتنہ پرداز لوگوں کی وجہ سے بغاوتوں اور سرکشیوں سے پر آشوب رہا۔ تاہم جو اصول معدلت گستری آپ نے ترتیب دئے وہ آجتک مہذب دنیا میں رائج ہیں چنانچہ پولیس کا تقرر اور حفاظت جان و مال کا انتظام سب سے پہلے جناب امیر علیہ السلام نے ہی کیا تھا

[1] مسعودی قاہرہ کا رہنے والا اور بڑا مورخ تھا جو سنہ ۹۵۶ء میں انتقال کر گیا۔

[2] دیکھو دی شارٹ ہسٹری آف سارسین مصنفہ سید امیر علی صاحب

باب سوم۔ شہادت

خدا سے شرم نہ کی ظالموں نے واویلا

نبی کا کر دیا برباد دودماں کیسا

کوفہ اور حجاز کے کل مسلمانوں کے بالاجماع انتخاب سے حضرت امام حسنؑ اپنے باپ کی جگہ خلیفہ منتخب ہوئے لیکن بنی امیہ کی وہ مکارانہ چال بازیاں جنھوں نے باپ کو بڑی دقتوں میں ڈالا تھا بیٹے کے لئے اور بھی زیادہ تکلیف دہ ثابت ہوئیں۔ ابھی حضرت امام حسن اپنے والد بزرگوار کے فاتحہ و درود سے بھی پورے فارغ نہ ہوئے تھے اور امور سلطنت کو اچھی طرح نہ سنبھالا تھا کہ معاویہ نے عراق پر فوج کشی کی اسلئے امام موصوف نے اپنے جرنیل مسمی قیس کو شام کی طرف روانہ کر کے خود مدائن کی طرف مراجعت کی۔ یہاں پر بنی امیہ کے جاسوسوں نے یہ خبر اڑا دی کہ حضرت امام حسنؑ کا جرنیل قیس لڑائی میں مارا گیا اور آپ کی فوج کو شکست ہوئی اس خبر نے نوجوان خلیفہ کی فوج میں بغاوت کے آثار پیدا کر دئے۔ نمک حرام فوج بگڑ کھڑی ہوئی اور غارت گری شروع کر دی ان غداروں کا یہ بھی ارادہ تھا کہ حضرت امام حسنؑ کو گرفتار کر کے اُن کے دشمنوں کے حوالے کر دیں اس وجہ سے آپ نہایت نا امید اور مایوس ہو کر کوفے کی طرف لوٹ گئے جہاں آپ نے مصمم ارادہ کر لیا کہ گوشہ نشینی اختیار کریں گے چونکہ اہل عراق کی بد عہدیوں اور بیوفائیوں کا آپ کو تجربہ ہو گیا تھا۔ اس لئے معاویہ نے جو تجاویز مصالحت پیش کیں۔ آپ نے انھیں قبول فرما لیا۔ گو حضرت امام حسن حالات زمانہ سے انتہا متاثر ہو گئے تھے۔ کہ آپ کو یقین کامل تھا کہ بنی امیہ کی چال بازیاں اب خاندان رسولؐ کو حکومت تو در کنار آرام سے بھی بیٹھنے نہ دینگی۔ تاہم بہ نظر دور اندیشی اس معاہدہ پر جو آپ نے معاویہ سے کیا۔ یہ شرط کرا لی کہ اُسی ملعون کی موت کے بعد خلافت پھر خاندان پیغمبر میں عود کی جا کر حضرت امام حسین علیہ السلام کو تفویض کی جائے۔

بقول مسٹر اسنر[1] "اب وہ ہر دل عزیز حکومت جو شفقت اور سادگی سے بھرپور تھی۔ ختم ہو گئی۔ جو پھر کبھی مسلمانوں میں ظہور پذیر نہ ہوئی"۔ غاصبوں نے خاندان رسول سے حکومت لیکر جمہوریت اور سادگی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا حضرت امام حسن دل شکستہ مع اپنے عزیز و اقارب کے مدینے تشریف لے آئے۔ جہاں کچھ دنوں بعد یزید بن معاویہ کی سازش سے زہر دیکر شہید کئے گئے قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

[1] دیکھو کتاب انگلش دی لاء بحق دی محمد

حضرت امام حسنؑ کی گوشہ نشینی کے بعد معاویہ اسلام کا خلیفہ مقرر ہوا - ابن ہندہ کے بیٹے کا ستارہ اوج پر تھا - ابو سفیان کی خواہش شاہ مکہ بننے کی معاویہ کی خلافت سے وسیع پیمانہ پر پوری ہوئی اور اس طرح عجیب اتفاق ہے کہ اتفاق وقت سے بانیٔ اسلام کے دو جانی دشمنوں کا بیٹا تخت خلافت پر متمکن ہوا - حضرت محمد صلعم کی اولاد کی وراثت غصب کی گئی اور بت پرستوں کے ایک بڑے گروہ کا رکن مذہب اسلامیہ اور سلطنت کا لیڈر بنا -

دارالسلطنت کوفہ سے دمشق میں تبدیل ہوا اور معاویہ دنیا پرست بادشاہوں کی طرح تزک و احتشام کے ساتھ تخت نشین ہوا - اس ملعون نے ان تمام لوگوں کو جو اس کی بد عادات سے متنفر تھے ایک ایک کر کے زہر اور خنجر کے پار اتارا - یہاں تک کہ اس نے اپنے ان رشتہ داروں کو بھی نہ چھوڑا جو اسکی پالیسی کے مخالف تھے شاید معاویہ کی نسبت میری رائے تعصب پر محمول کی جائے میں میجر اسبرن کی رائے اسجگہ نقل کرنا زیادہ مناسب سمجھتا ہوں "فطرتی بد طینت بیرحم بنی امیہ کے اس اول خلیفہ نے کوئی دقیقہ گناہ و ظلم کا اپنے مرتبے کے برقرار رکھنے میں نہ چھوڑا اپنے مخالفوں کے دور کرنے میں قتل اس کا عام شیوہ تھا پیغمبر خدا کے نواسے کو اس نے زہر سے شہید کیا اور حضرت علی کے بہادر لفٹنٹ ملک اشتر کو تباہ و برباد کر دیا اپنے بیٹے یزید کو ولیعہد بنانے میں اس نے اس عہد شکنی میں ذرا بھی تامل نہ کیا - جو اس نے حسین بن علی کی نسبت کیا تھا[1] - نیک نہاد محمد بن ابوبکر کو اس شخص نے گدھے کی کھال میں مڑھ جلا دیا اور اسطرح اس کی بہن حضرت عایشہ کو اس احسانمندی کا بدلہ دیا جو حضرت عایشہ نے اس کے استحکام دینی میں کیا تھا باوجود ان مظالم کے یہ مکار اور ستم پیشہ شخص ایک عرصہ تک اسلام پر حکمران رہا اور عصائے حکومت اس کے خاندان سے تنا نوے سال تک منتقل ہوا -

معاویہ کی ظالمانہ حکومت نے اسلامی دنیا میں عجیب تفرقہ پردازی پیدا کر دی ایک تو وہ پابند مذہب اور نیک نفس لوگ تھے - جنھوں نے دنیاوی معاملات سے دست کشی اختیار کر لی تھی اور اپنا وقت علمی مشاغل میں صرف کرتے تھے ان کو گورنمنٹ سے کچھ تعلق نہ تھا یہ لوگ یا تو خاندان رسولؐ سے تھے یا ان کے خاص خیر خواہ - دوسرے وہ خارجی تھے - جنھوں نے حضرت علیؑ سے بغاوت کر کے اسلام ہی سے قطع تعلق کر لیا تھا ان کو نہ صرف خاندان رسولؐ سے دشمنی تھی بلکہ گورنمنٹ دمشق سے بھی کوئی مناسبت نہ تھی تیسرے وہ لوگ تھے جو بر سر حکومت اور خاندان بنی امیہ میں سے تھے ان کی یہ حالت تھی کہ انہیں مذہب سے کچھ غرض نہ تھی - ہر دم عیش و عشرت میں منہمک رہتے تھے - غرضیکہ عجیب طوفان بے تمیزی مچ رہا تھا

[1] دیکھو کتاب اسلام لیڈر دی عرب

باوجودیکہ معاویہ نے یہ معاہدہ کیا تھا کہ صرف وہ اپنی زندگی میں خلافت کرے گا اور اُس کے بعد خلافت حضرت امام حسینؑ کو منتقل ہو گی۔ لیکن دنیاوی لالچ نے اس کو مجبور کر دیا اور اب وہ عہد شکنی کی تدابیر سوچنے لگا چنانچہ اس بدعہدی میں اُسکا سب سے بڑا معاون اُس کا سوتیلا بھائی زیاد تھا۔ جو ابوسفیان کا حرامی بیٹا تھا۔ یعنی اُس عورت سے پیدا ہوا تھا جس سے ابوسفیان کا ناجائز تعلق تھا ۵۱ھ میں معاویہ نے مکہ اور مدینہ میں رہ کر اہل حجاز سے اپنے بیٹے یزید کی ولیعہدی کا عہد لینا چاہا۔ لیکن اُن میں سے چار شخص یعنی حضرت امام حسینؑ بن علی۔ عبداللہ بن عمر۔ عبدالرحمان بن ابوبکر اور عبداللہ ابن زبیر نے معاہدہ کرنے سے انکار کر دیا بہت سے اہل حجاز نے بھی اُن کا ساتھ دیا۔

آخر کار معاویہ ۶۰ھ میں مر گیا۔ یہ پہلا شخص تھا جس نے خواجہ سراؤں کو اپنے محلات میں جگہ دی اور وہی پہلا شخص تھا جس نے درباری مسخروں کو ملازم رکھا۔ معاویہ اعلیٰ درجے کا بے اصول۔ بدباطن۔ دنیا پرست مکار اور بدخصلت تھا جو کبھی امت اسلامیہ میں پیدا ہوا ہو۔

معاویہ کے مرنے کے بعد ہی امیہ کا شدید ترین ظالم اور بدترین خلائق ممبر یزید بن معاویہ اُس تخت پر بیٹھا جس کو اُس کے باپ نے اعلیٰ درجہ کی دغابازی اور مکاری سے حاصل کیا تھا۔ یزید نہ صرف ظالم ہی تھا بلکہ اصلی درجہ کا شریر بھی تھا۔ اس کے گرے ہوئے اخلاق رحم اور انصاف سے کوسوں دور تھے اُس ظالموں کی یہاں تک ہتک کی ہے کہ بندروں کو عالمانہ لباس پہنا کر اور بیش قیمت گھوڑوں پر سوار کرا کر اپنے ساتھ رکھا ہے۔ یہ شخص مثل اپنے باپ کے سخت جفا کار اور ستم شعار تھا۔ لیکن اس میں کسی قدر کمی یہ تھی کہ وہ اپنے باپ کی طرح مظالم کو پالیسی کی آڑ میں پوشیدہ رکھنے کی قابلیت نہ رکھتا تھا۔ گو اس درجہ کا بدسرشت تھا کہ رحم و انصاف جانتا ہی نہ تھا۔ تکلیف دہی اور ایذا رسانی میں اس شخص کو خاص مسرت حاصل ہوتی تھی۔ پانچوں عیب شرعی اُس میں موجود تھے۔ اس کے بے تکلف یار وہ لوگ تھے جو دنیا میں بدترین آدمیوں میں شمار کئے جانے کے لائق تھے۔ غرضیکہ مسلمانوں کی بڑی بدقسمتی تھی۔ جو یہ شخص اُن کا حکمران مقرر ہوا یزید کی تخت نشینی نے اسلام کو سخت صدمہ پہنچایا۔ اس کی بدکرداری سے عام لوگوں کی آنکھیں کھل گئیں اور انھیں اس غلطی کا احساس ہوا جو انھوں نے خاندان رسول کے حقوق کو نظر انداز کرنے میں کی تھی۔ کیونکہ اسوقت سے مسلمانوں میں کمال درجہ کی بے ترتیبی اور بدنظمی واقعہ ہونی شروع ہو گئی تھی

ایک مشہور عالم حسن بصری کا مقولہ ہے کہ دو آدمیوں نے اسلام کو خاص پیچیدگی میں ڈالا۔ ایک عمرالعاص جس نے

معاویہ کو حکومت دلانے میں بڑی کوشش کی۔ دوسرے مغیرہ جس نے معاویہ کو صلاح دی کہ وہ بد عہدی کرکے اپنے بیٹے یزید کو ولیعہد بنا دے۔"

یزید بن معاویہ کی غصب خلافت کے وقت حضرت علیؑ کے دوسرے صاحبزادے حضرت امام حسینؑ مدینہ میں موجود تھے آپ خاندان رسالت کے تمام جوہر شرافت و نجابت موجود تھے اور آپ اپنے باپ علیؑ اور نانا رسولؐ کی زندہ مثال تھے مسٹر سیل آپ کے صبر و تحمل اور اعلیٰ فیاضی کی ایک معمولی مثال اپنے ترجمہ قرآن شریف میں اس طرح تحریر کرتے ہیں کہ "ایک دفعہ آپ کے ایک غلام نے کھانے کے وقت گرم گرم کھانے کی رکابی آپ پر نادانستہ پھینک دی اور آنحضرت کو قرآن شریف کی یہ آیت سنائی کہ "جنت ان لوگوں کے واسطے ہے جو اپنے غصہ کو ضبط کرتے ہیں" آپ نے فرمایا میں بالکل غصہ میں نہیں ہوں اس نے آیت کا اگلا حصہ پڑھا کہ "اور ان کے لئے جو لوگوں کو معاف کرتے ہیں"۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے تجھے معاف کیا غلام نے آیت کو اس طرح ختم کیا کہ "خدائے تعالیٰ سخاوت کو پسند کرتا ہے"۔ آنحضرت نے فرمایا۔ جا میں نے تجھے آزاد کیا اور چار سو درہم دئے"۔ غرضکہ وہ اعلیٰ اوصاف جو ایک بہترین مسلمان اور معصوم امام میں ہونے چاہئیں خدائے تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائے تھے الا آپ ان چالبازیوں پر قادر نہ تھے جو بنی امیہ کے بائیں ہاتھ کا کرتب تھیں [2]

اس محاصرہ قسطنطنیہ میں جو عیسائیوں کے برخلاف مسلمانوں کو کرنا پڑا تھا حضرت امام حسینؑ نے کمال دلیری اور شجاعت سے اسلام کی خدمت کی تھی اور ان حقوق سے جو آپ کو رسول اللہ کے نواسے اور خلیفہ علی کے فرزند ہونے کی حیثیت سے حاصل تھے آپ خلافت اسلام کے جائز حقدار تھے علاوہ ازیں اس معاہدہ میں جو حضرت امام حسنؑ نے معاویہ سے کیا تھا آپ کے حقوق محفوظ رکھے گئے تھے تاہم بھی آپ ظالمان دمشق کے خطاب خلافت کے ہرگز خواہشمند نہ تھے جن کے فسق و فجور کو آپ نہایت ملامت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور جن کے چال چلن سے آپ سخت متنفر تھے الا آپ کی موجودگی میں یزید کو بڑا خوف تھا جس نے اپنے بھائی بندوں کی شورہ پشتی کی بدولت خلافت حاصل کی تھی یہی وجہ ہے کہ وہ دن رات اسی کشمکش و پیچ میں لگا رہتا تھا۔ کہ کسی طرح آنحضرت سے یا تو اظہار بیعت کرالیوے یا آپ سے اپنا راستہ صاف کرے بدیں خیال اُسنے بہت سی چالیں چلیں جن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اُسنے حاکم مدینہ کو یہ لکھ بھیجا کہ وہ حضرت امام حسینؑ کو اُسکی بیعت پر آمادہ کرے ورنہ گرفتار کرکے دمشق بھیجدے۔

حضرتِ امام حسینؑ مدینہ میں امن کے ساتھ اور بلا کسی پولیٹیکل جد و جہد کے اپنے پدر بزرگوار کے جاری کردہ کام

میں طالب علموں کو درس فرماتے اور بہ حیثیت دینی مقتدا عام مسلمانوں اور بنی نوع انسان کی تعلیم و تلقین میں مصروف تھے کہ یزید کا پیام حاکم مدینہ کو پہنچا اُسے آنحضرت کے اس رسوخ و اقتدار کا حال اچھی طرح معلوم تھا جو بوجہ آپ کی نیکی اور ہمدردی کے کل اہالیان مدینہ میں آپ کو حاصل تھا اس لیے وہ اس حکم کو پڑھ کر نہایت گھبرایا لیکن بہت کچھ سوچ و بچار کے بعد اس نے حضرت امام حسینؑ کو بلا کر کل ماجرا کہہ سنایا اور آپ کی قدر و منزلت میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا حاکم مدینہ نے آپ کے ساتھ پھر ایک پولیٹیکل چال چلی کہ کسی طرح آپ بتابعت یزید پر آمادہ ہو جائیں لیکن اس اعلیٰ قوت ارادی سے جو آپ کو اپنے نانا رسول سے پہنچی تھی آپ نے کمال دلیری اور وضاحت سے فرمایا کہ میرے علم و یقین میں یزید بن معاویہ کے اطوار ہرگز اس قابل نہیں کہ وہ اسلام کا خلیفہ کہلائے جانے کا مستحق ہو۔ اس کے اخلاق نہایت زبون ہیں اور افعال قابل ملامت اس لیے یہ کبھی بھی قرین مصلحت نہیں ہے کہ میں بحیثیت قائم مقام خاندان رسول اور امام برحق کے ایک فاسق و فاجر کی بیعت اختیار کر کے اسلام میں بدترین مثال پیش کروں۔ بدیں وجہ میں قطعی انکار کرتا ہوں خواہ مجھے کتنی ہی مصیبتوں کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے

اس انکار کی خوبی و بہتری کا اندازہ جس کے باعث حضرت امام حسینؑ کو عظیم قربانی کرنی پڑی صرف وہی لوگ اچھی طرح لگا سکتے ہیں جو فرض و انسانیت کا احساس رکھتے ہیں یقیناً امام موصوف کی بیعت یزید سے اسلام کا شیرازہ تتر بتر ہو جاتا جس کی اصلی کیفیت یہ ہے کہ معاویہ کے وقت سے جو قابل نفرت مظالم خدائے برحق کی مخلوق پر ہو رہے تھے انھوں نے اسلام کی عظمت لوگوں کے دلوں سے کھو دی تھی اور اس مذہب سے جس کا معاویہ اور اس کا بیٹا یزید اپنے آپ کو معتقد بتاتے تھے لوگ متنفر ہو گئے تھے ساری ہمسایہ طاقتیں ان باپ بیٹوں کی زبون حرکات کو حیرت و استعجاب سے دیکھ رہی تھیں جنھوں نے اس پاک مذہب کو بدنام اور گرد آلود کر دیا تھا۔ بڑی ضرورت اسوقت اس امر کی تھی کہ کوئی سچی قربانی پیش کی جا کر اسلام کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچایا جائے کسی معمولی شخص کا ایثار یا قربانی اسوقت نمایاں اثر پیدا نہ کر سکتی تھی پس رسولؐ کے نواسے نے مصلحت وقت سمجھا کہ اس پاک مذہب کو جو اسکے نانا رسول نے کمال عرقریزی سے پھیلایا تھا گرداب بلا سے بچا دے اور اپنے آپ کو اسلام کا فدیہ دے اگر حضرت امام حسینؑ اس ایثار پر آمادہ ہوتے تو یقیناً اسلام ہم کو اس حالت میں کبھی نہ ملتا - دینداری اور پاکیزگی رخصت ہو جاتی اور اسلام بھی ان تمام مذاہب کی طرح جن میں کوئی سچی قربانی پیش کرنیوالا پیدا نہ ہوا تھا اور جس کے سبب

وہ بُت پرستی سے بدتر ہو گئے تھے تباہ و برباد ہو جاتا پس یہ کہنا بالکل صحیح اور مدلل ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے یزید پلید کی بیعت نہ کر کے نہ صرف اسلام کو نجات دی بلکہ بنی نوع کو اپنی قوتِ ارادی سچائی اور ایثار کا ایسا بہترین ثبوت دیا جس کی کوئی نظیر تاریخ عالم میں موجود نہیں ہے۔

ان ہی دنوں میں اہل کوفہ نے بنی امیہ کے مظالم سے تنگ آکر حضرت امام حسینؑ کو متواتر خطوط بھیجے کہ حضرت خلفاء دمشق کے ظلم و ستم سے مسلمانان کوفہ کو نجات دیں اس لئے امام موصوف نے کوفہ کی طرف مراجعت کا ارادہ کیا۔ لیکن سوائے عبداللہ ابن زبیر کے جس کا اصلی منشاء یہ تھا کہ آپ مدینہ سے تشریف لے جائیں اور اُس کے لئے میدان صاف ہو جائے کسی نے بھی آپ کو سفر کوفہ کی صلاح نہ دی اور اہل کوفہ کی بیوفائی کا یقین دلا کر آپ سے عرض کی کہ اہل کوفہ اعلیٰ درجہ کی متلوّن مزاج اور دودھ کے ابال کی طرح بیٹھ جانے والے ہیں ان میں انسانیت اور اپنی بات کی پیچ نہیں۔ الا اہل کوفہ نے بھی کوئی دقیقہ آپ کو بلانے میں جد و جہد کا نہ چھوڑا تھا وہ متواتر سرگرمی سے خطوط بھیجتے اور یقین دلاتے تھے کہ جوں ہی حضرت امام حسینؑ کوفہ میں قدم رکھیں گے وہ یزید کو معزول کر کے آپ کی بیعت اختیار کر لیں گے۔ چونکہ وقت آ گیا تھا کہ امام برحق اپنا مقدس فرض ادا کریں اس لئے آنحضرت ایک مختصر قافلہ کے ساتھ جو بہتر جاں نثاروں سے زیادہ نہ تھا اور جس میں آپکے دو نوجوان فرزند ایک نوجوان بھائی حضرت عباس اور چند مستورات در رفقا تھے عازم کوفہ ہوئے آپ نے عرب کے صحرا کو بلا کسی حادثہ کے عبور کر لیا لیکن جب نواح عراق میں پہنچے تو وہاں آپ کو کوئی نشان اُس فوج کا نہ ملا جس کی بابت اہل کوفہ نے لکھا تھا کہ آنحضرت کی امداد کے لئے بھیجیں گے۔

ملک کی اجنبیت اور وحشت نے حضرت امام حسینؑ کو پریشان کر دیا آپ کو اہل کوفہ کی بیوفائی اور بنی امیہ کی چالبازی کا یقین ہو گیا اس لئے آپ نے اسی جگہ دریائے فرات کے کنارے پر میدان کربلا میں قیام کرنے کا حکم دیا بقول سید امیر علی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ دنیا کی کوئی تاریخ ایسی غمناک اور حیرت خیز منظروں کی نظیر پیش نہیں کر سکتی جو سرزمین کربلا میں وقوع پذیر ہوئی۔

حضرت امام حسینؑ کو جو خطرات یزید کی شرارت سے تھے وہ بالکل درست ثابت ہوئی کیونکہ چار ہزار فوج مشہور قصاب اور ولد الحرام زیاد کے بیٹے عبیداللہ نے جو اعلےٰ درجہ کا ناخداترس اور شقی القلب تھا ظالم اور غاصب خلیفہ دمشق کے حکم سے میدان کربلا میں بھیجدی اور رسول کے مظلوم نواسے کو محصور کر لیا۔ کچھ روز تک تو باوجود کثیر التعداد فوج کے بزدل بنی امیہ اس بے مثل مٹھی بھر ٹولی کے مقابلہ میں جو شیر خدا کے بلند ہمت

بیٹے نے اپنی قلیل جماعت سے طیار کرایا تھا حملہ کی جرات نہ کر سکے الّا دریائے فرات پر قبضہ کر کے ان ظالموں نے وزرائع آب رسانی بند کر دیئے چونکہ سامان خورد و نوش محاصرہ کیوجہ سے پہلے ہی ختم ہو چکا تھا اس لئے اب گروہ شہدا کی مصیبتیں ناگفتہ بہ ہو گئیں۔

حضرت امام حسینؑ نے جفا کار دشمنوں کو سمجھانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا آپ نے کل فوج اشقیا کو اپنی بیگناہی اور احترام جتلایا اور بیکسی اور غریب الوطنی کا اظہار کیا ننھے ننھے معصوم بچوں اور پردہ نشین عورتوں پر ظلم کرنے سے منع کیا اور یہ بھی کہا کہ وہ اس منتقم حقیقی سے خوف کریں۔ جو کمزوروں کا مددگار اور ظالموں پر عذاب نازل کرنے والا ہے۔ لیکن ان تمام باتوں کا ظالموں پر کچھ اثر نہوا اور مجبور و لاچار ہو کر امام مظلوم کو اپنے رفقا سے یہ کہنا پڑا کہ وہ اپنی جان بچا کر کسی طرف کو چلے جائیں لیکن جان نثاروں کو یہ کب منظور تھا سب نے یکزبان ہو کر اپنے آقا کو یکہ و تنہا دشمنوں میں چھوڑ دینے سے انکار کر دیا۔ اور کہا

نہ کلمہ گو سے یہ ہوگا کبھی معاذ اللہ ۔۔۔ کہ دیکھے سبط پیمبر کو زیر خنجر آہ

نہ یار ہے نہ دیار اور نہ فوج ہے نہ سپاہ ۔۔۔ تو بے پناہ ہے جلا و دیں خدا کی پناہ

یہ کیا غضب ہے خلیفہ یزید ہوتا ہے

رسولِ حق کا نواسہ شہید ہوتا ہے

جنگ شدت سے جاری تھی اور پیغمبر خدا کے نواسے پر وہ ظلم و ستم ہو رہے تھے۔ جس سے دیکھنے والوں کے کلیجے شق ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ فوج غنیم کے بعض رقیق القلب لوگ اس دردناک منظر کی تاب نہ لا سکے اور ایک جری افسر حر ابن ریاحی مع تیس سپاہیوں کے آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر مستدعی شرکت شہادت ہوا اول آپ نے کمال محبت اور ہمدردی سے نامنظور فرمایا اور موت کے لازمی نتیجہ سے آگاہی دی۔ لیکن وہ بہادر افسر مصر رہا اور اس وقت تک چین نہ لیا جب تک شہید ہونے کی اجازت حاصل نہ کر لی۔

باوجود اس کے کہ امام مظلوم کے ساتھی تین دن کے بھوکے پیاسے اور شدت گرما سے نہایت تنگ تھے لیکن دست بدست لڑائی میں بنی فاطمہ نے فوج یزید کے پرخچے اڑا دیئے الّا اس کا کوئی علاج نہ تھا کہ دشمن محفوظ جگہوں سے تیروں کی بوچھار نہایت کثرت سے لشکر حسین علیہ السلام پر کر رہے تھے آخر کار حسینؑ مظلوم کے کڑیل اور جوان بیٹے بھتیجے اور قوت بازو بھائی مع اعوان و انصار کے یکے بعد دیگرے شہید ہوتے چلے گئے حتیٰ کہ صرف رسولؐ کا نواسہ دشمنوں میں اکیلا باقی رہ گیا۔

افسوس اس پیغمبر کا نواسہ جس نے بنی نوع انسان پر بہت بڑے احسانات کیے اور اس برگزیدہ امام کا بیٹا جس نے بہترین اخلاق بنی آدم کو سکھلائے اور اسی عظمت مآب خاتون کا جگر گوشہ جس کی وجہ سے عورات ہمیشہ کے لیے ممیز ہو گئیں اب اس ستم پیشہ گروہ کے پنجہ ظلم میں گرفتار ہے جو اپنے آپ کو اس کے نانا کا کلمہ گو اور مقلد بتاتے ہیں۔

اسلام کے دینی رہنما پر یہ وقت نہایت مصیبت کا تھا جسکو وہ صبر و استقلال سے برداشت کر رہے تھے۔ لیکن حرم محترم کی عورتیں اور بچے جنہیں تین دن سے خورد و نوش کچھ نہ ملا تھا نہایت بے چین تھے اس لئے امام مظلوم نے ان سے کہا کہ میں اتمام حجت کیلئے دشمنوں کو ایک دفعہ اور ان کے مظالم یاد دلاتا ہوں۔

یہ کہہ کے آئے متصل فوج اشقیا — منت سے عاجزی سے یہ مظلوم نے کہا

رحم لے سپاہ رحم میں سید ہوں بے نوا — منہ میں زبان پیاس سے ہلتی نہیں ذرا

صدمہ ہے دل پہ پیاس سے حالت تباہ ہے

وہ بولے تم کو پانی پلانا گناہ ہے

حاکم کا حکم یہ ہے کہ پانی نہ تم پیو — گھوڑے پئیں سوار پئیں اور شتر پئیں

جو تشنہ لب جہاں میں آ کر پئیں — حیوان پئیں چرند پئیں جانور پئیں

کافر تلک پئیں تو نہ تم منع کیجیو

پر فاطمہ کے لال کو پانی نہ دیجیو (دبیر)

آخر کار موت سے قریب اور غم و الم سے ناچار و مجبور حسین مظلوم اپنے خیمے کو واپس تشریف لائے جہاں پہلے ہی سے ایک ہولناک منظر آپ کیلئے موجود تھا یعنی آپ کا ایک شیر خوار بچہ شدت پیاس سے تشنہ لب تڑپ رہا تھا۔ آنحضرت سے اس معصوم بچہ کی حالت دیکھی نہ گئی اور آپ اُسے گلے لگا کر خود باہر تشریف لے آئے اور دشمنوں سے نہایت درد انگیز الفاظ میں یہ فرمایا کہ "ایہا الناس اگر خطا ہے تو میری ہے اس معصوم بچے کا کیا قصور ہے۔ اس کی حالت زار پر رحم کرو اور ایک قطرہ پانی کا اسے دو" ہائے افسوس اس سنگدل ظالموں نے اس کے جواب میں صرف ایک تیر آیا جو اس معصوم بچے کے حلق کے پار ہو گیا۔ مامتا کے مارے باپ نے آسمان کیطرف نظر کی اور خاموش ہو رہا۔

اس کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے جو خون سے بھرے ہوئے تھے

آپ نے نہایت آہ وزاری سے زندہ اور مُردہ دونوں کے لئے دعائے مغفرت پڑھی اور میدان کارزار کا رُخ کیا دشمنوں کی کثیر التعداد فوج شدت کیساتھ بلکہ وتنہا مظلوم پر تیر برسا رہی تھی۔ لیکن وذوالفقار حیدری کے آگے بنی امیہ ایک دفعہ تتر بتر ہوگئے۔ کل فوج کے ایکبارگی حملے اور کثرت زخم سے حضرت امام حسینؑ زیادہ تاب مقاومت نہ لا سکے اور فرش خاک پر بیہوش ہوکر گر پڑے اب ملعون شمر ذی الجوشن کا قاتل خنجر اُس رسول اللہ کے پیارے نواسے کے گلے پر چل گیا۔ جو تین دن کا بھوکا پیاسا کربلا کی جلتی بلتی زمین پر بے حس و حرکت پڑا تھا اور اس طرح اُس وقت کی سب سے پاک روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

ظالم فوج نے امام مظلوم کے سر کو تن سے جدا کیا اور جسم مطہر کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندا۔ شہدا کے سروں کو نیزہ پر چڑھا کر تشہیر کیا غرضیکہ وہ تمام وحشیانہ حرکات کیں جو کبھی ہندہ نے کی تھیں یہاں تک کہ وہ جفا پیشہ لوگ سر مبارک کو قلعہ کوفہ میں لے گئے جہاں بدذات ابن زیاد نے آپ کے دندان مبارک پر چھڑی ماری جو بقول ایک معمر مسلمان حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دانتوں سے زیادہ مشابہ تھے۔ ہائے افسوس ہمارا قلم ان واقعات کو لکھتے تھراتا ہے اور دماغ گردش کھاتا ہے۔ مسٹر گبن لکھتے ہیں کہ "ہر ایک وقت اور دور دراز ملکوں میں بھی امام حسین علیہ السلام کی حسرتناک شہادت کا واقعہ سنگدل سے سنگدل شخص کو بھی رولائے بغیر نہ رہے گا"[۵۱]

ناظرین اگر یہ مانا جائے کہ آپ کو ان معاملات سے دلسوزی و ہمدردی نہیں تو کم سے کم آپ کو یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ شیعیان علی کربلا کے اُس دردانگیز واقعہ پر جو بجا ہی ہنوں۔ دوست اقربا کی سچی محبت۔ انسانی ظلم کی سچی تصویر اور ایثار و فیاضی کی مثال نظر ہے کیوں اسقدر شیون وشین کرتے اور امام مظلوم کی برسی کو کس لئے اس قدر شد و مد کے ساتھ مناتے ہیں۔

باب چہارم دشمنان اہلبیت کا حشر

"یہ کبر کا بدل ہے سزا یہ جفا کی ہے"

اگر خدا کو یہ منظور ہوتا کہ اُسکی مخلوق دینی پیشواؤں سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جائے اور امامت برحق کا دار و مدار اُس کی امداد پر منحصر ہوتا تو یقیناً کربلا کے عام کشت وخون میں اولاد علی سے ایک متنفس بھی نہ بچتا۔ لیکن باری تعالیٰ کو یہ ہرگز منظور نہ تھا۔ اِس لئے باوجود سخت قتل و غارت کے حضرت امام حسین علیہ السلام کے ایک فرزند جو آخری

[۵۱] کتاب عروج وزوال سارسین مصنفہ مسٹر گبن ۱۳

ساسانی بادشاہ یزدجرد کی بیٹی کے بطن سے تھے ۔ بالکل محفوظ ہے ۔
حضرت علی زین العابدین ابن الحسین معرکہ کربلا کے وقت موجود تھے لیکن بوجہ علالت شریک جنگ نہ ہوسکے تھے اس لئے صرف ایک تن واحد تھے ۔ جو خاندان رسالت سے باقی رہ گئے ۔ جب یہ جوان شاہزادے ابن زیاد کے روبرو پیش کئے گئے ۔ تو اس نے مصمم ارادہ کرلیا کہ آپ کو قتل کرکے خاندان رسالت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کردے لیکن حضرت امام حسینؑ کی بہن حضرت زینبؑ کے یہ کہنے پر کہ وہ حضرت زین العابدین کے ساتھ اپنی جان کو بھی تلف کردیں گی اور یہ کہ موجودہ امام برحق کا قتل اسلام کی بہت بڑی تباہی کا باعث ہوگا ظالم ابن زیاد سخت خائف ہوگیا اور اپنے ارادے سے باز آیا ۔
معرکہ کربلا کے بعد خاندان رسول کی تمام سیدانیاں بے مقنع وچادر اسلام کے برحق امام حضرت زین العابدین کے ساتھ جن کے گلے میں طوق اور پیر میں زنجیر تھی ۔ کشاں کشاں دمشق کو روانہ کی گئیں ۔ ان کے آگے آگے ان جان نثار اور پاک زین مسلمانوں کے سر نیزوں پر تھے جنھوں نے اسلام کو ذلت سے بچانے کے لئے اپنی جانوں کو قربان کیا تھا اور وہ سر حسینؑ جو کبھی بانی اسلام کی گودیوں میں کھیلا تھا اور جس کی پیشانی رسول اللہ کے چومنے سے قابل تقدیس تھی اب اس ظالم کے حکم سے نیزے پر تھا جو اپنے آپ کو مسلمانوں کا خلیفہ کہتا تھا ۔
جب یہ قافلہ دمشق میں پہنچا تو رسول اللہ کی نواسیاں پڑنواسیاں پھٹے ہوئے اور بوسیدہ کپڑوں کے ساتھ گریہ کناں یزید کے شاہی محل کے نیچے لائی گئیں ۔ ہم متعجب ہیں کہ اس دردناک منظر کے اثر سے زمین کیوں نہ پھٹ گئی ۔ اور آسمان کیوں نہ ٹوٹ پڑا ۔ مصیبت زدوں کے گریہ وبکا نے دمشق میں اسقدر کہرام مچادیا کہ قریب تھا کہ خاندان رسولؐ کی مصیبتوں کو دیکھ کر دارالخلافہ یزید میں ایک بہت بڑا فساد برپا ہوجاتا اس لئے اس ملعون نے حکم دیدیا کہ تمام مقید بن مدینہ کو جلد واپس چلے جائیں
سیدالشہدا امام حسین اور ان کے معصوم بچوں کی قتل نے اسلام میں ایک عجیب تہلکہ ڈالدیا اور وہ کشش احساس جو اس سے پیدا ہوئی آخر کار اسلام کی نجات کا باعث ہوگا کیونکہ اس نے اس ذلت کی لہروں کا جو دربار دمشق سے بہہ رہی تھیں ۔ سدباب کردیا ۔ واقعہ کربلا سے صدہا مسلمانوں کو معلوم ہوگیا کہ بانی اسلام نے کیا احسانات کئے اور انکے دشمنوں کی اولاد نے اب اسلام کو کیا نقصانات پہنچائے تقریبًا ایک صدی تک کھلے بندوں زہر اور خنجر کے زور سے بنی امیہ نے مسلمانوں پر حکومت کی انھوں

نے مدینہ کو تباہ اور اولاد انصار کو دور دراز ملکوں میں جلا وطن کر دیا وہ شہر جس نے ایک وقت پیغمبر خدا کو
مشرکین کی ایذارسانی سے پناہ دی تھی اور جس شہر کو بانی اسلام نہایت ہی عزیز رکھتے تھے اور جس کا چپہ چپہ
رسول اللہ کے قدموں سے قابل تعظیم ہو گیا تھا۔ نہایت ظالمانہ طور پر غارت و برباد کیا گیا وہ لوگ جنھوں
نے نبی آخر الزمان کو ضرورت کے وقت مدد دی تھی اور جنھوں نے اسلام کی عمارت کھڑی کی تھی۔ بنی امیہ کے
اُن مظالم کا شکار ہوئے۔ جس کی نظیر اُن جبر و تعدیوں سے زیادہ مشابہ ہے جو کانسٹبل اوف فرانس کے سپاہیوں
نے کئے، یا مقلدین لوتھر نے زوال روم کے وقت دکھلائے مثلاً مردوں کو تہ تیغ کیا گیا اور عورتوں
کی عصمت دری کی گئی حتٰے کہ معصوم بچے تک غلام بنائے گئے۔ مسجد نبوی میں گھوڑے باندھے گئے
اور خانقاہیں جواہرات کے لالچ میں مسمار کی گئیں۔ غرضیکہ بنی امیہ کے کل عہد سلطنت میں وہ پاک
شہر جنگلی جانوروں کا گھر بن گیا۔ مکے کی بت پرستی پھر ایک دفعہ عروج پر آئی جو بقول مسٹر ڈوزی "اسلام
کے خلاف نہایت خطرناک اور انقلاب آمیز تھی" اہل مکہ اور بنی امیہ نے اُن احسانات و چشم پوشی کا جو فتح
مکہ کے وقت۔ آنحضرت نے کی تھی۔ کیا خوب بدلہ دیا۔ تقریباً ایک صدی تک وہ زمین سینہ سیاہ بنی امیہ
کے ظلم وستم کا منظر بنی رہی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدائے تعالٰے کا عذاب نازل ہوا اور سفاح نے
پیدا ہو کر ظالموں سے دنیا کو پاک کر دیا کمبخت خاندان بنی امیہ کا صرف ایک متنفس بچا۔ جو اسپین کو بھاگ
گیا اور اب صفحہ ہستی پر ان ظالموں کا نام ونشان تک موجود نہیں ہے[۱]

وہ تفرقہ جو مابین شیعان اہلبیت جنکا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت علی کے حق میں امامت کا فیصلہ ہو چکا ہے
اُن لوگوں کے جو اس بات پر اڑے ہوئے تھے کہ روحانی اور دنیاوی حکومت بذریعہ انتخاب کیجانی ضروری
ہے بمصالحت مٹ جاتا اور یقیناً ہر دو فریق حضرت علی کو خلیفہ تسلیم کر لیتے۔ کیونکہ حضرت علی نہ صرف معرفت
الہی سے بھرپور تھے بلکہ آپ میں وہ تمام اوصاف موجود تھے جو انتخاب کے لئے لازمی ہیں۔ الا بنی امیہ کی
شرارت اور شورہ پشتی نے ایسا ہونے دیا۔ چونکہ ان لوگوں نے دنیوی حکومت حاصل کرنے کے لیے
خون کے سمندر بہائے تھے اور بہت سے جرائم کا ارتکاب کیا تھا اس لئے اب انکے لئے یہ بھی لازمی ہو گیا کہ
وہ اپنے حقوق خلافت کے جواز کے لئے کوئی نہ کوئی ڈھکوسلہ بھی بنائیں اس لئے انھوں نے اپنے بھائی

[۱] خاندان بنی امیہ میں سے ہم عمر بن عبدالعزیز کو مستثنیٰ کرتے ہیں جو ایک نیک نہاد شخص تھا اور جسکو خود بنی امیہ انکی نیکی کی وجہ سے پسند نہ
کرتے تھے علاوہ ازیں اور کئی شخص بہتر ہونگے ہمارا منشا بنی امیہ سے ہر شخص واحد مراد نہیں ہے بلکہ قبیلہ کے چال چلن عام پر بحث کی ہے

ہندوں اور اجیروں کی مدد سے اپنے انتخاب کا اعلان کیا اور امیر المومنین بن بیٹھے۔ اول اول تو وہ خلفاء راشدین کی نظیر پیش کرتے رہے بعدہ حدیثیں گھڑنی شروع کردیں۔ مدینہ تباہ و برباد ہو چکا تھا خاندان رسول و انصار خستہ حال ادھر اُدھر بھٹکتے پھرتے تھے۔ وہ جواں مرد جنھوں نے جمہوریت کی بنا ڈالی تھی تباہ ہو چکے تھے اس لئے ان غاصبوں سے کون حجت کرتا کہ تمکو امیر المومنین کا خطاب کن حقوق پر حاصل ہے مگر افسوس یہ ہے کہ جو خاندان بنی امیہ کے بعد اُن کا جانشین ہوا اُسنے بھی ان ہی کی پیروی کی اور جمہوریت کو برقرار نہ رکھا علاوہ ازایں وہ جبر و تعدی جو مظلوم جگر گوشگان علیؑ پر بنی امیہ نے کیں تھیں ان سے بھی زیادہ عباس نے روا رکھیں۔ اس خاندان کا خلافت پر کوئی حق نہ تھا بلکہ محض اولاد علیؑ کی ہر دل عزیزی کی بدولت اُن کے قدم جمے اور جب وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے تو اُنھوں نے بنی فاطمہ کو یہ اجر دیا کہ بنی امیہ کی سخت گیری کو بھی بھلا دیا اگر کسی منصف مزاج نے کچھ اعتراض کیا تو اُسنے ظلم کا نشانہ بنایا چنانچہ امام مالک کو صرف اس بنا پر سر عام پٹوایا گیا کہ اُنھوں نے حقوق خلافت کے متعلق کچھ اعتراض کیا تھا۔ اس جگہ پر بے موقع ہوگا۔ اگر ہم مختصراً اُن تمام واقعات کا تذکرہ لکھیں جو بنی عباس کے عروج کا باعث ہوئے۔

بہت سی ہولناک بے رحمیاں جو بنی امیہ نے بنی فاطمہ پر جاری رکھیں اور جنکو بنی فاطمہ نے نہایت صبر و تحمل سے برداشت کیا اُن کا نتیجہ یہ ہوا کہ عام مسلمانوں میں ظالموں کی طرف سے کمال نفرت و حقارت پیدا ہو گئی رسول اللہ کے نواسوں اور فاطمہ کے معصوم بچوں نے جو انسانی ہٹ دھرمی کے بہت کچھ شکار ہوئے تھے دنیوی معاملات سے دست برداری اختیار کر لی تھی اور اپنا تمام وقت علمی تحقیقات اور عبادت و ریاضت میں صرف کرتے تھے الا بغیر اسلحہ خزانہ اور بلا رعیت کے مسلمانوں کے دلوں پر ان کی بہ نسبت اُن خلفا کے جو اپنے محلوں میں صاحب اقتدار و قوت تھے زیادہ وقعت تھی۔ بنی امیہ کے مظالم کا پیمانہ اب لبریز ہو چکا تھا اور ہر چہار طرف سے یہی شور و پکار تھی کہ یا بارالٰہا وہ کون سا دن ہوگا کہ رسول اللہ کے نواسوں کو اُن کا حق ملے گا عام مسلمان بے صبری سے اس بات کے منتظر تھے کہ امام برحق اُن کو صرف اشارہ کر دیں لیکن یہ معصوم دنیا سے کنارہ کش ہو چلے تھے اور اپنی حکومت اس دنیا کے لئے نہ سمجھتے تھے کئی انتقام لینے والے مثل سلیمان ابن صرد اور مختار وغیرہ پیدا ہوئے جنھوں نے تلوار کے زور سے اہلبیت کا انتقام بھی لیا لیکن اُن میں سے کسیکو بھی امام برحق نے اجازت نہ دی تھی۔ اب عام مسلمان اس امر کے درپے تھے کہ امام برحق اُنکو استقلال

حرب کی اجازت دیں الّا اولادِ علی کشت و خون کو خلاف حکم خدا سمجھتے تھے اس لئے ہمیشہ انکار کرتے رہے گو بنی فاطمہ کے چند اصحاب نے اپنی بزرگ خاندان یعنی امام برحق کے خلاف مرضی اسلحہ حرب استعمال کئے لیکن انکا نتیجہ یہ ہوا کہ خود قتل کئے گئے اور بہت سے نقصان اٹھائے۔ غرضیکہ اس پر آشوب زمانہ میں جبکہ عام مسلمان خاندان رسول سے اجازت جنگ کے مستدعی تھے بنی عباس کو اپنی خواہش کے پورا کرنیکا موقع مل گیا اور وہ میدان میں جا اترے۔

بنی عباس بانیٔ اسلام کے چچا حضرت عباس کی اولاد میں سے تھے رسول اللہ حضرت عباس کی بڑی عزت و حرمت کرتے تھے جنھوں نے ترقی اسلام میں بہت کچھ حصہ لیا تھا۔ گو کمزوری یا کسی مصلحت کی وجہ سے فتح مکہ کے وقت تک مسلمان ہوئے تھے آپ کا انتقال ۳۲ھ میں ہوگیا۔ آپکے چار صاحبزادے عبداللہ ابن عباس فضل۔ عبیداللہ اور خطان تھے ابن عباس حضرت علیؑ کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔ چنانچہ اُن کے علم و فضل کا عام شہرہ تھا۔ چاروں بھائی حضرت علیؑ سے کمال عقیدت و محبت رکھتے تھے اور جنگ جمل و صفین کے وقت حضرت علی کی فوج میں شامل تھے۔ خصوصاً ابن عباس فوج کے جرنیل تھے حضرت علی نے ابن عباس کو متعدد دفعہ سفیر کرکے بھیجا اور یہی وہ شخص تھے۔ جن کو حضرت علیؑ معاویہ سے فیصلہ ثالثی کے وقت اپنا ثالث مقرر کرنا چاہتے تھے۔ آپ ستر سال کی عمر میں کربلا کا واقعہ سنکر دل شکستہ انتقال فرما گئے اور آپ کا ایک لڑکا جس کا نام آپ نے حضرت علی پر رکھا تھا۔ آپ کے قدم بقدم چلا اور ہمیشہ بنی فاطمہ سے مانوس تھا اس کا بھی [illegible] میں انتقال ہوگیا اور خاندان بنی عباس کا سرگروہ محمد بن علی مقرر ہوا۔

ان دنوں اہل فارس۔ عراق اور حجاز بنی امیہ کے ظلم و ستم سے تنگ آکر اس بات پر قطعی آمادہ ہوگئے کہ اس بدبخت خاندان کو تباہ کردیں۔ شروع میں بنی عباس اس ارادہ سے کہ وہ بنی فاطمہ کو اُن کے جائز حقوق دلوا دیں اہل فارس وغیرہ کے شریک ہوگئے اور کچھ دنوں بعد اُنھوں نے خود غرضی اختیار کی اور محمد بن علی بن عبداللہ نے چال کھیلنی چاہی کہ کسی طرح خلافت اُس کے خاندان ہی میں رہ جائے یہ شخص دور اندیش اور صاحب ارادہ تھا اس لئے وہ بظاہر بنی فاطمہ ہی کا خیرخواہ رہا۔ لیکن بباطن اپنے قدم جمانے کی کوشش کرتا رہا اس نے پوشیدہ طور پر یہ مشہور کرنا شروع کیا کہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد امامت حضرت امام زین العابدین کو نہیں پہنچی بلکہ حضرت علی کے دوسرے بیٹے جو حنفی خاندان کی ایک عورت کے بطن سے تھے جائز حقدار امامت تھے جنکا اسم شریف محمد الحنفیہ تھا اس نے کچھ عرصہ تک

فقہ نے گو چند لوگوں میں کچھ پسندیدگی پیدا کی ہو۔ ورنہ عام طور پر اسکو کسی نے پذیرا نہ کیا محمد بن علی یہ بھی کہتا تھا کہ محمد الحنفیہ کے انتقال کے بعد امامت اُس کے بھائی ہاشم کی ملی اور ہاشم نے اُسے تفویض کی۔ بہر حال ظاہر طور پر وہ خاندان رسول ؐ کا ہی خواہ رہا اس کی خوش قسمتی سے قایم تھا مان خاندان رسول میں سے چند اُس کی ظاہری چاپلوسی سے اُس کے مؤید ہو گئے اس لئے عوام میں وہ اس خیال سے ہر دل عزیز ہو گیا کہ اہلبیت اُس کے ساتھ ہیں۔

اہل فارس کو جو عقیدت بنی فاطمہ سے تھی اُس کی بنا چند تواریخی واقعات پر ہے اوّل تو کل بنی فاطمہ جو حضرت امام زین العابدین کی نسل سے تھے اس لئے تخت ایران کے جائز حقدار تھے دوسرے اسلام کے ابتدائی زمانہ میں حضرت علی نے فارس کے نو مسلموں پر خاص عنایتیں مبذول کی تھیں۔ تیسرے جنگ قادسیہ کے بعد حضرت علیؑ نے مال غنیمت میں سے کچھ حصہ نہ لیا تھا اور اس کے بدلے میں فارس کے بہت سے قیدی رہا کر دئے تھے۔ چہارم حضرت علی کے مشوروں کی وجہ سے حضرت عمر کے زمانہ میں اہل فارس کو بہت کچھ ٹیکسوں سے محفوظ رکھا گیا تھا۔ نیز سلمان فارسی جو پیغمبر خدا کے خاص صحابی تھے حضرت علی علیہ السلام سے خاص اُنس رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ اہل فارس بنی فاطمہ پر ظلم ہوتے ہوئے نہ دیکھ سکے اور انھوں نے متواتر بنی اُمیہ کی خلاف تلواریں اٹھائیں چونکہ محمد بن علی نے اہل فارس کو یہ کہا کہ وہ اہلبیت کو اُن کے حقوق دلوانا چاہتا ہے اس لئے وہ سب کے سب اس کے ساتھ ہو گئے حتیٰ کہ ابو مسلم جو ایران کا قابل ترین جرنیل تھا محمد بن علی کے ہتھے چڑھ گیا آخر کار محمد بن علی انتقال کر گیا اور اپنے تین لڑکے ابراہیم۔ عبداللہ ابو عباس المعروف بہ سفاح اور عبداللہ ابو جعفر المعروف بہ منصور کو یکے بعد دیگرے اپنا جانشین نامزد کرنے کی وصیت کر گیا۔

بنی امیہ کا وہ ظلم جو آخر کار اُن کی تباہی کا باعث ہوا تھا یہ تھا کہ مروان نے حضرت امام زین العابدین کے پوتے حضرت یحییٰ کو جنھوں نے باوجود حضرت امام جعفر صادق کی مخالفت کے بنی امیہ کے خلاف تلوار اٹھائی تھی قتل کرا دیا اور آپ کی لاش کو سولی پر چڑھا دیا تھا اس وحشت ناک واقعہ نے ابو مسلم کو سخت بر انگیختہ کر دیا اور وہ بنی امیہ سے انتقام لینے پر آمادہ ہو گیا اس نے حضرت یحییٰ کی لاش کو تعظیم و تکریم کے ساتھ دفن کرایا اور خود سیاہ ماتمی لباس پہن لیا یہ سیاہ لباس بعد میں بنی عباس کا خاص نشان قرار پایا ابو مسلم کے اس اعلان پر کہ جو شخص اہلبیت کا انتقام لینا چاہتا ہے اُس کے ہمراہ ہو جائے قرب و جوار کے ہزارہا مسلمان بمقام مرو پر جمع ہو گئے جو اہلبیت کا انتقام لینے پر دل و جان سے کمربستہ تھے ابھی دو دن

میں محمد بن علی کا بڑا لڑکا ابراہیم بھی مروان کے ہاتھوں گرفتار ہو کر قتل کیا گیا تھا اور جس نے اپنے بھائی
ابو العباس کو باپ کا وصیت نامہ بھیجکر اپنا جانشین نامزد کیا تھا یہ ابو العباس اس فوج کشی کے وقت
ابو سلم کے ہمراہ تھا۔ غرضیکہ کثیر التعداد مسلمان جن کا واحد ورد اہلبیت تھا بنی امیہ کا استیصال کرتے
ہوئے کوفہ جا پہنچے اور اسکا محاصرہ کر لیا لیکن اہالیان کوفہ نے جلدی اپنے آپ کو ان کے سپرد کر دیا
ابو سلم کا لفٹنٹ حسن بن خطاب جو درحصل ابو العباس کی پالیسی غصب خلافت کا مؤید تھا جب فاتح کی
حیثیت سے کوفہ میں داخل ہوا تو سب سے پہلے وہ ابو سلمہ جعفر ابن سلیمان الخلال سے ملا جو بنی فاطمہ
کی طرف سے کوفہ میں کارپرداز اور وزیر تھا اس عباسی جرنیل نے ابو سلمہ کی بڑی تعظیم و تکریم کی اور
اس کی دست بوسی کر کے عرض کیا کہ ابو سلم کی اسکو یہ ہدایت ہے کہ وہ ابو سلمہ کے ہر ایک حکم کی تعمیل کرے
غرضیکہ ابو سلمہ کو اسنے اچھی طرح پھسلا دیا جسکو بنی عباس کے اصلی مقصد کی مطلق خبر نہ تھی چنانچہ فوراً
ایک اعلان ابو سلمہ اور حسن بن خطاب کی طرف سے کل اہالیان کوفہ کے نام جاری کیا گیا کہ وہ دوسرے
روز مسجد جامع میں جمع ہوں لیکن حسن اور دیگر بنی عباس نے کسی خاص مصلحت سے اسدن کچھ کارروائی نہ
کی۔ اس عرصہ میں ابو العباس سفاح بھی اپنے بھائی منصور کو لیکر کوفہ میں جا پہنچا اور ایک پوشیدہ جگہ
قیام کیا ابو سلمہ نے جو اسوقت تک اہل بیت کا وفادار تھا پوشیدہ طور پر حضرت امام جعفر صادق کو پیام
بھیجا کہ وہ مدینہ سے تشریف لاکر اپنا حق حاصل کریں۔ لیکن امام برحق اہل عراق کی تلون مزاجی سے
بخوبی واقف تھے اس لئے آنحضرت نے وہ مراسلہ بلا پڑھے جلا دیا پیشتر اسکے کہ ابو سلمہ کو کوئی جواب
پہنچے وہ ابو العباس کے ہتھے چڑھ گیا اور اسکو خلیفہ تسلیم کر لیا اس کے بعد اہلبیت کے نام سے ایک
اعلان اس مضمون کا جاری کیا گیا کہ کل مسلمانان کوفہ روز جمعہ مسجد میں خلیفہ و امام کے انتخاب کی غرض
سے جمع ہو جائیں۔

وہ جمعہ کوفہ میں عجیب و شان و شوکت کا تھا جوق جوق مسلمان سیاہ لباس پہنے مضطربانہ اس فیصلہ
کے سننے کے لئے جمع ہو رہے تھے جس کے وہ عرصہ سے خواہشمند تھے وقت معینہ پر ابو سلمہ بھی سیاہ لباس
پہنے ہوئے مسجد میں داخل ہوا سوائے بنی عباس اور چند دیگر لوگوں کے کسی کو اسوقت تک علم نہ تھا کہ کس
طرح ابو سلمہ نے اپنی آپ کو بنی عباس کے ہاتھ فروخت کر دیا اور دنیاوی لالچ نے اسے اپنے آقا سے
نمک حرامی پر آمادہ کر دیا ہے۔ غرضیکہ بعد نماز ابو سلمہ نے حاضرین سے اس طرح تقریر شروع کی۔

"ایہا الناس حامی اسلام ابوسلمہ نے بنی امیہ کا اچھی طرح قلع قمع کردیا ہے اور وہ خاندان رسول کو ان کے حقوق دلوانا چاہتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ کوئی خلیفہ اور امام منتخب کیا جائے میری رائے میں اس وقت ابوالعباس سے بہتر کوئی شخص نہیں ہے اس لئے میں اس کی خلافت کی تجویز پیش کرتا ہوں"

اس وقت تک ابوسلمہ اور کل بنی عباس نہایت تذبذب کی حالت میں تھے اور منتظر تھے کہ دیکھیں اہل کوفہ کیا کہتے ہیں انہیں یہ خطرہ تھا کہ شاید مسلمانان کوفہ اولاد علی کے ساتھ بیوفائی نہ کریں کیونکہ اہل عراق کی تلوّن مزاجی مسلمہ تھی ان لوگوں نے کئی دفعہ بنی فاطمہ کی اعانت میں مستعدی دکھلائی اور پھر ایک دفعہ دودھ کے ابال کی طرح بیٹھ گئے اور ہمیشہ اُن برگزیدہ مسلمانوں کو دھوکا دیا۔ جن کی حمایت کا انھوں نے حلف لیا ہمیشہ اپنے مددگاروں کو دغا دی اور یعنی ثابت ہوئی معرکہ کربلا کے بعد یہ لوگ اسقدر پشیمان تھے کہ ایک رات میں ہزارہا اہالیان کوفہ حضرت امام حسین کے مشہد مقدس پر گریہ و بکا اور توبہ و استغفار کرتے رہے۔ لیکن اُن کی اس ندامت کو کچھ عرصہ بھی قیام نہوا صرف ایک خونخوار ظالم حجاج ابن یوسف نے ان بیوفا متلون مزاج اور ناقابل اعتماد لوگونکو اپنے قابو میں کرلیا۔ چنانچہ یہی حال اُسوقت بھی ہوا کہ ابوسلمہ کی زبان سے یہ نکلتے ہی کہ اس نے ابوالعباس کو خلیفہ تسلیم کرلیا ہے سب کوفی اللہ اکبر کا نعرہ مارنے لگے اور قبولیت کا اظہار کرلیا۔

•

ابوالعباس کے پاس قاصد روانہ کیا گیا اور وہ پوشیدہ جگہ سے مسجد میں آیا۔ کوفیوں سے بیعت لی اور منبر پر چڑھ کر خطبہ پڑھا جس کے بعد اپنی خلافت اور امامت کا اعلان کیا اور وہ اس طرح بنی فاطمہ کی تحریک کی بدولت صاحب تخت و تاج ہوگیا جن بنی فاطمہ کو اس کی اولاد نے بعد میں سخت مظالم کا نشانہ بنایا اور طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں افسوس یہ کمبخت دنیاوی حکومت تمام انسانی خواہشات سے زیادہ بنی آدم کی خونریزی کا سبب ہوئی ہے اس کے حصول کے واسطے فانی خاک کے پتلوں نے کوئی دقیقہ حرام اور گناہ کا نہ چھوڑا ہے جگر اور خون تک بھلا دئیے ہیں ہر ایک احسان فراموش کئے گئے ہیں وہ کشمکش جو پوپ ہائے روم نے اپنی طاقت قائم کرنے کے لئے کی اور ہزارہا مخلوق خدا کی تباہی کا باعث ہوئی وہی جد و جہد اسلام میں خاندان بنی امیہ اور بنی عباس نے جاری رکھی۔

ابوالعباس سفاح اور اس کے معاون عبداللہ نے جو سختیاں بنی امیہ پر کیں اگرچہ وہ اُن کے مظالم کا بدلہ

محتاج نہیں الّا انسانیت اور شرافت سے بالکل بعید ہیں جنکو لکھتے ہوئے نہایت افسوس آتا ہے اُنھوں نے خلافت بشریت بنی امیہ کے مُردوں کو قبروں سے اُکھاڑ اُن کی ہڈیوں کو جلایا گیا نہ زندوں کو ہر شہر و دیار - غار و کھنڈر میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر ہلاک کیا یہانتک کہ خلیفہ مروان کے قریبًا اسّی بھائی بندوں کو پہلے ایک خیمہ میں پناہ دی گئی اور پھر ایک کو بھی قتل سے نہ چھوڑا - غرضیکہ اُس بدبخت خاندان کا بچہ بچہ تلوار کے گھاٹ اُتارا گیا اور صرف ایک شخص بچا جو اسپین کو بھاگ گیا اسوقت بھی بنی فاطمہ کی خاندانی رحمدلی نے بنی امیہ کو محفوظ رکھا اور امام برحق کی حمایت سے مدینہ میں بنی امیہ پر کوئی ظلم ہو سکا -

ابو العباس کا دائرہ مظالم تو بنی امیہ ہی تک محدود رہا لیکن اُس کے جانشین منصور کے وقت سے بیگناہ بنی فاطمہ پر بھی ظلم و ستم ہونے شروع ہوئے جنھوں نے ان کا کچھ نہ بگاڑا تھا بلکہ اُن کی بدولت انہیں یہ دن نصیب ہوئے تھے - اگر اُن کا کچھ قصور تھا تو یہ تھا کہ وہ سچے دیندار اور امن پسند مسلمانوں کی طرح زندگی بسر کر رہے تھے اور اُن کے برحق امام بنی نوع انسان کی روحانی خدمت میں مصروف تھے جسکی وجہ سے عام مسلمانوں میں اُن کی عقیدتمندی تعظیم و تکریم بیحد تھی - جو بار ہا بنی عباس کے حسد کا موجب ہوئی - چنانچہ ابو سلمہ جو خاندان بنی عباس کا بادشاہ گر کہلائے جانے کا مستحق ہے - اس شبہہ میں قتل کیا گیا کہ وہ بنی فاطمہ کا طرفدار ہے - ہارون رشید جیسے عقلمند اور دانا خلیفہ عباسی نے محض فانی حکومت کے خاطر معصوم امام حضرت موسیٰ کاظم کو اس شک پر شہید کرا دیا کہ عوام الناس میں آپ نہایت ہر دلعزیز تھے اور اس طرح انسانیت کی تحقیر کی جو ہر طرح باعث شرم ہے اسی توہم مزاج خلیفہ نے اپنی حکومت و سلطنت کے بڑے رکن اور فیاض خاندان برمک کو اس اشتباہ میں تباہ و برباد کر دیا کہ وہ بھی بنی فاطمہ کے طرفدار ہیں غرضیکہ یہ ظلم و ستم اُس وقت تک جاری رہے جب تک خلیفہ مامون تخت نشین ہوا یہ شخص نیک نہاد اور رحمدل تھا گو کسی قدر کمزور طبیعت رکھتا تھا اس کا قطعی ارادہ تھا کہ وہ اہلبیت کو اُن کے جائز حقوق دلوا دے اور اس غرض سے اُسنے آٹھویں امام برحق حضرت امام علی رضا کو مدینہ سے بلوا کر اپنا جانشین نامزد کیا اور عباسی نشان چھوڑ کر بنی فاطمہ کا سبز نشان اختیار کیا الّا ظالم بنی عباسیوں نے اُس کی ایک پیش نہ چلنے دی معصوم امام کو زہر دے کر شہید کیا گیا اور مامون کو معزولی کا خوف دے کر عباسی نشان اختیار کرنے پر مجبور کیا وہ مراعات جو مامون نے بنی فاطمہ پر کیں اُس کے دو جانشین معتصم اور واثق نے بھی جاری رکھیں لیکن بدبخت ملعون متوکل کے تخت نشین ہوتے ہی پھر غریب اولاد علی پر جور و ستم ہونے شروع ہوئے

اس سینہ سیاہ خلیفہ نے حضرت علی اور حضرت امام حسینؑ کے مرقد منور کو مسمار کرادیا اور ایک پانی کی نالی کا رخ
اس طرف کر دیا حضرت امام نقی کو مدینہ سے سمرہ جلا وطن کر دیا افسوس خاندان رسول کے ان آخری برحق اماموں کی
سرگذشت نہایت درد انگیز ہے جسکو قلم لکھتے تھراتا ہے۔ حضرت امام نقی کے ۲۶۵ھ میں انتقال فرما جانے
کے بعد آپ کی متقی و پرہیزگار صاحبزادے حضرت امام حسن عسکری مدت العمر قیدخانہ میں رہے اور وہیں
شہید ہوئے۔ آنحضرت کے شہید ہونے کے بعد آخری برحق امام حضرت مہدی آخر الزماں اپنے پدر بزرگوار کی
تلاش میں نکلے آپ کا سن شریف اسوقت بارہ سال کا تھا نہایت اضطراب اور تجسس میں آپ قیدخانہ کے قریب
ایک غار میں تشریف لے گئے جہاں سے پھر کبھی واپس تشریف نہ لائے آپ کا اس طرح غائب ہو جانا اس امر
کی دلیل ہے کہ خدائے تعالی کو اپنے آخری دینی رہنما کا محفوظ رکھنا ضروری معلوم ہوا جو وقت معینہ پر خروج
فرما کر امت اسلامیہ کی نجات کا باعث ہونگے۔ حضرت امام آخر الزماں کے اس طرح غائب ہو جانے سے اسلامی
دنیا میں ایک عجیب تہلکہ مچ گیا اور اسلام میں خاص انقلاب واقع ہوا چنانچہ مسلمان آپ کی تلاش میں سر من رائے
کے غار پر آتا اور آپ کے خروج کے منتظر رہتے تھے حتی کہ چودھویں صدی عیسوی تک ابن خلدون لکھتا ہے لکھو کھا مسلمان
اس غار پر بیٹھے گئے ہیں اگر کوئی ان سے یہ دریافت کرتا کہ اسقدر صدیوں کے بعد کس طرح ممکن ہے کہ امام
موصوف غار میں سے زندہ واپس تشریف لاوینگے تو وہ جواب دیتے کہ جب حضرت خضر اب تک زندہ ہیں
تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمارے امام بھی زندہ نہوں
متوکل کی موت کے بعد اس کے دو ایک جانشینوں نے شیعیان علیؑ کے ساتھ رعایتیں کیں اور جسوقت معز الدولہ جو خاندان
بویہ سے تھا بغداد کا کوتوال مقرر ہوا تو شیعوں کی اور بھی بہتر حالت ہو گئی یہ معز الدولہ غالی شیعہ اور بہت بڑا صاحب اقتدار
واقبال تھا اسنے ۹۶۳ء میں معرکہ کربلا کی یادگار میں یوم عاشورا قائم کر کے اسلام پر بڑا احسان کیا کیونکہ
یہی یادگار اس بات کا پتہ دے سکتی ہے کہ اسلام میں - راستی - گمراہی اور ظلم و رحم میں تمیز ہے اور یہ کہ مسلمان
بالکل نا اہل اور احسان فراموش نہیں بلکہ اپنے دینی پیشواؤں کی قدر و منزلت کرنے والے اور اہل درد ہیں۔
۱۲۲۲ھ میں مستعصم باللہ کی تخت نشینی پر پھر شیعیان علیؑ کے لئے مصیبت نازل ہوئی اور ان بیچاروں پر
متواتر ظلم و ستم شروع ہوئے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ کل مشرق الشیاء تباہ و برباد ہو گیا - اس بدنصیب خلیفہ نے
اپنے نالائق مصلح کاروں کے مشورے سے ایک شاہی مکتوب کے ذریعہ جو ہمیں چنگیز و ہلاکو کی یاد دلاتی ہے
کل شیعیان علیؑ کے قتل کا حکم دے دیا اور غیر شیعوں کو کھلی اجازت دیدی کہ وہ شیعوں کے مال و دولت لوٹ

پس اُن کی فصلات اور مویشی کو غارت و تباہ کردیں عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیں غرضیکہ کوئی دقیقہ ظلم وستم کا نہ چھوڑیں اس وحشیانہ سلوک نے بدقسمت بغداد پر سخت عذاب الٰہی نازل کیا اور منتقم حقیقی کا جوش عدل حرکت میں آیا چنانچہ چنگیز کے پوتے ہلاکو نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی اس تاتاری سردار نے تین دن تک اس معمور شہر اور باشندوں کو محصور کرکے سخت مظالم کا نشانہ بنایا اور تیسرے دن عام قتل و غارت کرکے بنی عباس کے سینتیسویں خلیفہ معتصم باللہ کو ہر ایک ذلت و خواری سے قتل کردیا اور آخر کار بنی عباس کا بھی خاتمہ ہوگیا۔

اگرچہ بنی عباس کی خلافت بغداد کے وقت بحیثیت خلیفہ۔ امام۔ شریف وغیرہ کے بنی فاطمہ کے اُن ممبروں نے جو اپنے خاندان کے برحق اماموں کی اس رائے کے خلاف تھے کہ اب دنیاوی حکومت ہمارے لئے نہیں ہی جیسا کہ امامت بنی عباس کے ہاتھوں تماشہ بنی ہوئی ہے۔ قاہرہ۔ مراکو۔ مدینہ اور یمن میں حکومت کی لا خاندان رسولؐ کے برحق اور معصوم امام ہاشیہ صبر سے پرہیز کرتے رہے اور انھوں نے انسانی خون بہانے سے مدام احتراز کیا یہی وجہ ہے کہ اُن کے مقلدین فرقہ اثنا عشریہ ہر ایک وقت اور زمانہ میں ظلم رسیدہ اور ستم دیدہ رہے اور ان کی خستہ حالی اسوقت تک کم ہوئی جب تک شاہ اسمٰعیل صفوی تخت ایران پر نہ بیٹھا یہ نیک نہاد بادشاہ بڑا فلاسفر صوفی اور خاندان رسول سے کمال اُنس رکھتا تھا اور خود بھی اُن کی اولاد میں سے تھا اس رحمدل اور نیک صفت بادشاہ نے ایران کا مسلّم مذہب اثنا عشری قرار دیا اور اسوقت سے غریب شیعیان علی کو کچھ امن و آرام میسّر ہوا۔

جنوبی ہندوستان میں خاندان بہمنی بھی معصوم اماموں کا پیرو تھا جس کی حکومت کو اورنگ زیب نے تباہ کرکے مرہٹہ اقتدار کو راستہ صاف کرنے کا موقع دیا حالانکہ خاندان بہمنی اُس زبردست رَو کو اپنے ہاتھوں سے روکے بیٹھے تھا۔ یہ مظالم تھے جو خاندان رسول اور اُنکے مقلدین پر روا رکھے گئے اور جنکو اُنھوں نے اعلیٰ صبر و تحمل اور سکون سے برداشت کرکے مہذب دنیا پر ثابت کردیا کہ مذہب اور اخلاق ایک ہی چیز ہیں۔

باب پنجم پس نظری واقعات

می توانی ازرہ آساں شدن بر آسماں
راست باش و راست کا ینجا نباشد کاستی

حضرت عیسٰیؑ کے نام پر اُن کے مقلدین عیسائی کہلاتے ہیں اور اسی طرح پیروان حضرت موسٰیؑ و بدھا اپنی اپنی

بانی کے نام سے موسوم ہیں الا حضرت محمد صلعم کا مذہب صرف ایک خاص لفظ اسلام نام رکھتا ہے جو بجائے خود تسلیم و رضا سے بھرپور اور عین فطرت اصول کی وجہ سے ہر وقت اور ہر زمانہ میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے اور اس کی پاکیزہ تعلیم یعنی وحدانیت - انسانی ہمدردی - خیرات نفس کشی - شکر گذاری اور خوف قیامت اس امر کی بین دلیل ہے کہ مذہب اسلام دنیا میں سب سے آخری اصلاح ہے -

سچائی ابدی ہے اور بانی اسلام کا پیغام بھی کچھ نیا نہ تھا آپ سے پیشتر نبیوں نے بھی یہ منادی کی اور وہ قلوب انسانی میں جاگزین ہوئی - لیکن پیغمبر آخر الزماں کی آواز نے سوتوں کو جگا دیا اور انسانی نبض حرکت میں آئی قرآن مجید کی بہترین اور موثر تعلیم نے زمانہ میں نئی روح پھونک دی اور انسانی کایا پلٹ کر دی مگر افسوس وہ مذہب جو ہمدردی اور صلح جوئی کے اصول پر قایم کیا گیا تھا اور جس نے متفرق دنیا کو ایک جا جمع کرنے کا بیڑا اُٹھایا تھا خود تفرقہ پردازی سے نہ بچ سکا اور وہ نا اتفاقی جو مذہب عیسوی میں غیر مکمل تعلیم کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی اسلام میں بعض نفس پرست پیروؤں کی خود غرضی کی وجہ سے نمایاں ہوئی جس نے اسلام کی بے بہا جانوں کا نقصان کیا

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ   چوں ندید ند حقیقت رہ افسانہ زدند

چرچ اوف اسلام کی فرقہ بندی کسی مذہبی نقص کی وجہ سے پیدا نہیں ہوئی بلکہ وہ جد و جہد جو پوپ اوف روم کو اپنے حقوق قایم کرنے میں کرنی پڑی اور جس سے ہزارہا انسانی مخلوق تباہ و برباد ہو گئی وہی تکالیف اہل اسلام کو اپنے معصوم اماموں کے استحقاق برقرار رکھنے میں اُٹھانی پڑیں اگر پیروان اسلام اُس کے بانی اور اہلبیت کے قدم بقدم چلتے تو یقیناً اُن کی طاقت اور اقتدار اہل روم سے کہیں زیادہ وسیع اور پایدار ہوتا الا بنی امیہ کی ہٹ دھرمی اور اہل عرب کی بد امنی نے اسلام کو سخت پیچیدگیوں میں ڈالدیا معاویہ کے وقت تک محبان اہلبیت نے کوئی نیا نام اختیار نہ کیا تھا کل بنی ہاشم کہلاتے تھے اور بنی عباس و بنی ہاشم میں کوئی تفریق نہ تھی وہ سب رشتہ یگانگت سے وابستہ تھے الا معاویہ کے غصب خلافت کے بعد پیروان خاندان رسول نے اپنے آپ کو شیعہ (پیروان) لکھنا شروع کیا اور دشمنان رسول ناصبی (یا نواصب) یا خارجی (دیا غی) کہلائے - بنی امیہ نے اپنے آپ کو اموی مشہور کیا تا ہم اسوقت تک اہل سنت و جماعت کا کوئی فرقہ موجود نہ تھا - البتہ منصور اور ہارون رشید کے زمانہ میں اس فرقہ کی ابتدا ہوئی جس کی وجہ یہ تھی کہ خلفاء بنی عباس اصل میں پرانے نام انتخاب سے اپنے آپ کو خلیفہ بنا لیتے

تھے اور یہ احتیاط رکھتے تھے کہ اپنی زندگی میں اپنا جانشین تسلیم کرا دیا۔ اس لئے ان کے لئے ضروری تھا کہ وہ اس نا واجب عمل کے لئے مذہب کی آڑ میں کوئی بہانہ سازی کریں۔ اتفاق وقت سے بنی فاطمہ کے چند ممبروں نے بھی مصر و شام فتح کر کے اپنی حکومت قاہرہ میں قایم کر لی تھی اس لئے بنی عباس کو اور بھی لازمی ہوا کہ وہ اپنے حق میں امامت کے استحقاق قایم کرنے کے لئے کوئی حیلہ جوئی کریں۔ چنانچہ اس مطلب کے لئے کل عراق و حجاز میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر حدیثیں گھڑی گئیں۔ اور علماء مقرر کئے گئے کہ وہ فتوی دیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مذہب سنت و جماعت کا ڈھانچا مطلب پرست علما و بنی عباس کی بدولت نہایت ہی متعصب اصولوں پر ترتیب دیا گیا۔ ابتدا میں اس فرقہ کی کامیابی کی خاص وجہ یہ ہے کہ فرقہ اسمعیلیہ میں بہت ہی ناموزوں اور خلاف اسلام اصول رائج تھے خصوصاً حسن صباح کی قاتلانہ کارروائیوں نے اہل سنت و جماعت کے فرقہ کو بڑی تقویت دی اگرچہ شیعہ امام ان جبر و تعدی اور نامناسب کارروائیوں کو بالکل پسند نہ کرتے تھے الا دنیوی حکومت ان کے ہاتھ میں نہ تھی وہ کیا کر سکتے تھے البتہ بنی عباس برسر حکومت تھے انھوں نے خنجر و تلوار کے زور سے ان خونریزیوں کا خاتمہ کر کے ان لوگوں کی طرفداری حاصل کر لی جو اس امر کی کم پروا رکھتے تھے کہ ان کا دینی رہنما کوئی بھی کیوں نہو۔

خروج خاندان بنی عباس سے قبل سوائے بنی امیہ کے تقریباً کل مسلمان امامت کا حق اہلبیت کا سمجھتے تھے چنانچہ اہل حجاز و انصار مدینہ کو حقوق اہلبیت کی خاطر بہت ہی تکلیفیں اٹھانی پڑیں معرکہ کربلا کے بعد کل اہالیان مکہ و مدینہ خاتم ان رسول کے حقوق دلوانے کے لئے آمادہ جنگ ہو گئے اگرچہ ہر سہ خلفائے اولین کی اولاد شامل تھی چنانچہ ان وفادار مسلمانوں نے اہلبیت کی محبت میں اپنی جانیں قربان کیں اب جبکہ بنی عباس نے اہلبیت کی بدولت خود حکومت حاصل کر لی تو ایک جدید فرقہ کی بنا پڑی اور اسطرح وہ زبردست تفریق قایم ہو گئی جو اب تک باقی ہے۔

ایک نہایت مامون رشید کے دوران حکومت میں جبکہ علم و فلسفہ خوب ترقی پر تھا فرقہ اہلسنت و جماعت ڈانواڈول ہو گیا لیکن اس کے مرنے کے بعد خلفاء بنی عباس نے جو برسر حکومت تھے اور خود ہی مذہبی پیشوا تھے نئے نئے اصول ترتیب دینے شروع کئے یعنی ایک دوسرا تردید کرتا چلا گیا یہاں تک کہ فرقہ اہل سنت و جماعت بقول امام جعفر طوسی بہتر فرقوں پر تقسیم ہو گیا جن میں سے چار اب تک موجود ہیں اور جو آپس میں بلحاظ اصول و مسائل بہت مختلف ہیں اس تفریق نے باہم اہل سنت و جماعت میں بڑا کشت و خون جاری رکھا اور

اتبک کوئی اصلاح نہیں ہوئی -

دوسری طرف شیعیان اہلبیت جو محض رسولؐ اور برحق اماموں کے پیرو رہے باوجود اُن جور و ستم کے جو ظالم حکومت نے ان پر کئے اپنے اصولوں سے نہ گرے یہی وجہ ہے کہ شیعہ مذہب اور حکومت کو دو علیحدہ علیحدہ چیزیں یقین کرتے ہیں اور ان میں علماء کی ویسی ہی قدر و منزلت ہے جیسے پادریوں کی مذہب عیسوی میں شیعوں میں باہمی تفریق بالکل نہیں البتہ آزادی رائے نے جس طرح پروٹسٹنٹ فرقہ میں ایک سو اسی گروہ بنا دئے اسی طرح شیعہ بھی بعض بعض امورات میں مختلف الرائے ہیں لیکن اُن کے اس اصول پر کہ امامت اہلبیت کا حق ہے سب متفق ہیں فرقہ اسمعیلیہ و زیدیہ بھی محض اس سبب سے کچھ زیادہ دور چلے گئے ہیں کہ اُس وقت جبکہ اہلبیت کے معصوم امام گوشہ نشینی میں زندگی بسر کر رہے تھے چند میان اہلبیت نے بنی فاطمہ کے اُن ممبروں کا ساتھ دیا جنھوں نے خلاف حکم اپنے خاندانی بزرگ کے اسلحہ حرب اُٹھائے تھے ان واقعات کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے یہاں صرف یہ کہدینا کافی ہے کہ وہ پولیٹکل واقعات جنھوں نے شیعیان علی میں کسقدر اختلاف ڈالدیا تھا اب معدوم ہوتے جاتے ہیں اور کل شیعہ تقریبًا اثنا عشری ہوگئے ہیں چنانچہ ممالک فارس - عرب - افریقہ اور ہندوستان کے کل شیعہ اثنا عشری ہیں اور اگر بلاد مغرب میں فرقہ اسمعیلیہ کے لیڈر زیادہ قابو یافتہ ہوتے تو وہ بھی کبھی کے اثنا عشری ہو جاتے تاہم امید ہے کہ تھوڑے دنوں میں شیعوں میں کوئی تفریق باقی نہ رہے گی -

اسلام کے دو بڑے فرقوں میں جو سب سے زیادہ متنازعہ فیہ امر ہے وہ امامت حقہ ہے شیعہ یہ کہتے ہیں کہ نبی آخر الزماں کے بعد امامت حضرت علی اور اُن کی اولاد میں منتقل ہوتی رہی وہ اس بات کو نہیں مانتے کہ خاندان رسول پر ترجیح دے کر کوئی جماعت اپنے غیر کو اپنا دینی پیشوا منتخب کرے امام کا علاوہ اس کے کہ وہ خاندان رسول سے ہو معصوم دیندار اور افضل الناس ہونا ضروری ہے یہ درست معلوم نہیں ہوتا اور نہ یہ خدائے تعالٰے کی مرضی ہے کہ وہ شخص مخلوق الٰہی کے ضمیر کی رہنمائی کرے جو خود گمراہ ہو - انسانی انتخاب ہمیشہ معرض خطا میں ہے کیونکہ بنی نوع انسان کی سرگذشت سے معلوم ہوتا ہے کہ بارہا انھوں نے بدترین آدمی کو اپنا لیڈر تسلیم کیا ہے - رحیم و کریم خدا اپنی مخلوق کی مذہبی ضروریات کو اپنی امداد کے بغیر کبھی نہیں چھوڑتا - اس لئے وہ ایسے امام مقرر فرماتا ہے جس کی متابعت انسانی ضمیر فورًا قبول کرے شیعوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اگر امامت کا انتخاب لوگوں کی مرضی پر چھوڑا جائے تو

وہ اخلاق کے متناقض ہوگا اس لئے روحانی رہبری باری تعالےٰ نے اپنے مخصوص بندوں کو عطا فرمائی
جو سبکے سب پیغمبر آخرالزماں کے براہ راست اولاد میں سے تھے اور جنکو سینہ بسینہ امور امامت تفویض
کئے گئے تھے۔
سنی یہ کہتے ہیں کہ امامت خاندان رسول پر محدود نہیں ہے لیکن امامت کے واسطے قریشی ہونا ضروری
ہے الّا شروع ہی سے اس میں اختلاف ہے کیونکہ ابن خلدون جو یمن کا رہنے والا تھا یہ لکھتا ہے کہ قریش
ہونا بھی ضروری نہیں چنانچہ مملوکی سلاطین قاہرہ اور اکبر شہنشاہ ہندوستان آپ کو امام سمجھتے ہے
اور موجودہ سلطان ٹرکی اپنے آپکو خلیفۃ المسلمین اور امام یقین کرتے ہیں۔ سنی یہ بھی کہتے ہیں کہ امام کا معصوم
اور افضل الناس ہونا ضروری نہیں جب تک وہ بالغ ہے اور فاتر العقل نہیں اور اس قابل ہے کہ دنیاوی
کاروبار کو سمجھ سکے وہ امام منتخب ہونے کے لئے ہر ایک استحقاق رکھتا ہے اُن کا ایک مسئلہ چرچ اف روم
سے ملتا ہے جو یہ کہ امام کی ظالمانہ کارروائی اسکو امامت سے معزول نہیں کر سکتی مگر کئی دفعہ اس کے
خلاف ہوا ہے کیونکہ بنی امیہ کا خلیفہ ولید اور بنی عباس کا خلیفہ متوکل اور سبسے آخری بدقسمت سلطان
ٹرکی عبدالعزیز و عبدالحمید وقتاً فوقتاً معزول ہوتے ہے سنی یہ بھی کہتے ہیں کہ امام و پیش نمازوں کی بد
چلنی انکو امامت اور پیش نمازی سے علیحدہ نہیں کر سکتی۔ لیکن اس اصول کے خلاف اہل سنت وجماعت
کا ایک بڑا فریق غیر مقلدوں میں بہت شور مچا رہا ہے کہ بدکار لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنی ہرگز واجب
نہیں۔ علاوہ بریں اہل سنت وجماعت کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ایک زمانہ میں دو امام نہیں ہو سکتے جس طرح
کہ مذہب عیسوی میں ایک ہی پوپ کی مطابعت ضروری ہے لیکن نہ مذہب عیسوی میں اس اصول کی پوری
پوری تعمیل کی گئی اور نہ اہل سنت وجماعت میں کیونکہ بارہا ایک وقت میں تین پوپ دین عیسوی کی رہ
بری کرتے رہے ہیں اور اسی طرح خلفاء اسپین، قاہرہ اور بغداد ایک ہی زمانہ میں خلیفہ تسلیم کئے گئے ہیں
اس اختلاف نے اسلام میں بڑی رخنہ اندازی کی اور خاندان رسول کے معصوم اماموں سے بے
اعتقادی بہت بڑی خرابیوں کا موجب ہوئی یقیناً اگر اولاد علی کی جائز اماموں کی پیروی کیجاتی
تو آج مسلمانوں اور اسلام میں یہ خلیج حائل ہوتی۔ غیر ذمہ دار۔ جاہ طلب اور بداندیش سلاطین
جو مذہب سے کچھ واسطہ نہ رکھتے تھے اسلام میں اپنے مَن مانے مسائل جاری کرنیکے باعث ہوئی
تھی کہ معقولیت جس کی بنا پر چرچ اف اسلام قایم کیا گیا تھا بعض اسلامی فرقوں سے کوسوں دور ہوگئی

گو واصل بن عطا اور امام غزالی جنھوں نے در اصل فاطمی اماموں کے طفیل بہترین تعلیم حاصل کی تھی اہلسنت وجماعت میں معقولیت کی تعلیم دیتے رہے الا خاندان بنی عباس کے آخری خلفا نے اُن کا بھی سدباب کردیا اور کثیر التعداد مسلمان بہت سی پیچیدگیوں اور تاریکیوں میں پڑ گئے۔

اس سے قبل کہ ہم اسلام کے جائز اور برحق اماموں کی تفصیل کر کے ان کے مقلدین کا تذکرہ کریں یہاں یہ لکھدینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ گو شیعیان علی سب کے سب اس امر میں متفق ہیں کہ امامت خاندان رسول کے لئے مختص ہے بعض فرقہ ہائے شیعہ نے بنی فاطمہ کے چند اُن ممبروں کو اپنا امام تسلیم کر لیا ہے جنھوں نے خلاف نصیحت اپنے بزرگان خاندان اور جائز اماموں کے بنی امیہ و بنی عباس کے مقابلہ میں اسلحہ حرب استعمال کئے اور آخر کار اُن کے ہر اک مظالم کا شکار ہوئے اس لئے پہلے ان مختلف اماموں اور اُن کے مقلدین کا ذکر کیا جاتا ہے بعدہ فرقہ اثنا عشری کے اماموں کی تفصیل لکھی جائے گی جو واقعی بحکم خدا مسلمانوں کی رہبری کے لئے مقرر کئے گئے تھے اور جنھوں نے اسلام میں اعلیٰ اخلاق - سچائی اور معقولیت کی تعلیم دی۔

شیعوں میں سے فرقہ اثنا عشری کے سوا جن کا ذکر آگے لکھا جائے گا اور جو برحق اور معصوم بارہ اماموں کے پیرو ہیں صرف دو فرقے زیدیہ و اسمعیلیہ اس قابل ہیں کہ اُن کی کیفیت تحریر کیجائے باقی فرقہ ہائے - ہاشمیہ - غالیہ - اسحاقیہ - نعمانیہ اور نصیری در اصل حضرت علی سے کم و بیش بیجا انتہا عقیدتمندی کی وجہ سے ظہور پذیر ہوئے اور اب تقریباً سب کے سب اثنا عشری ہو گئے ہیں۔ فرقہ غالیہ اگرچہ ابن خلدون کی تحریر کے بموجب شیعہ کہلاتے ہیں لیکن در اصل وہ قدیمی عیسائیوں کی اولاد میں سے ہیں اور حضرت علی کو حضرت عیسیٰ جانتے ہیں۔ فرقہ ہائے اسحاقیہ و نعمانیہ - حضرات محمد - علی فاطمہ - حسنؑ حسینؑ یعنی پنجتن کو مذہب عیسوی کی تثلیث کی طرح ذات باری تعالیٰ سمجھتے ہیں اور فرقہ نصیری حضرت علیؑ کو خدا یقین کرتا ہے۔

فرقہ زیدیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ امامت حضرت علی سے حضرت امام حسنؑ اور اُن کے بعد حضرت امام حسینؑ کو پہنچی اور حضرت امام حسینؑ سے حضرت زین العابدین کو منتقل ہوئے یہاں بعد برخلاف عقیدہ فرقہ اثنا عشری و دیگر مسلمان زیدیہ حضرت امام محمد الباقر کی امامت کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ اپنا امام حضرت زید کو بیان کرتے ہیں جو حضرت امام زین العابدین کے دوسرے صاحبزادے

تھے اور جنھوں نے خلاف مشورہ اپنے برادر عالی قدر حضرت امام محمد باقر بنی اُمیہ کے خلیفہ عبد المالک کے مقابلہ میں اسلحہ حرب استعمال کئے اور کوفہ کے قریب قتل کئے گئے۔ آپ کے بعد بقول فرقہ مذکور امامت آپکے صاحبزادہ حضرت یحییٰ کو پہنچی جنھوں نے بلا منظوری اپنے مکرم چچازاد بھائی حضرت امام جعفر صادق کے مقام خراسان بہت سی پیرو جمع کر کے خلیفہ شام کے مقابلہ میں جنگ کی اور ناکامیاب ہو کر قتل کیے گئے۔

حضرت یحییٰ کے انتقال کے بعد زیدیہ یہ کہتے ہیں کہ امامت اہلبیت میں سے حضرت محمد بن عبد اللہ المعروف بہ نفس الزکیہ کو پہنچی جنھوں نے حجاز میں عباسی خلیفہ منصور کے خلاف جنگ کی اور خود مدینہ کے قریب قتل کئے گئے آپکے بعد امامت آپ کے بھائی حضرت ابراہیم کو منتقل ہوئی جو اسی طرح بے سُود بنی عباس کے خلاف جنگ کرنے ہوئے عیسیٰ برادر منصور کے ہاتھوں قتل کئے گئے ان حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے مورخ شہرستانی اپنی رائے دیتا ہے کہ جو مصائب ان زیدیہ اماموں کو اُٹھانے پڑے اُسکی خاص وجہ یہ تھی کہ انھوں نے اپنے بزرگ چچا زاد اور اماموں کے مشورہ کی قدر نکی اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے اس مقولہ پر نہ چلے کہ "دنیاوی حکومت اب اہلبیت کے لئے نہیں ہے جیسا کہ دینی امامت خاندان بنی عباس کے ہاتھوں میں ایک کھلونا بنی ہوئی ہے"

حضرت ابراہیم کے بعد بقول فرقہ زیدیہ امامت حضرت ادریس کو تفویض ہوئی جنھوں نے صحرائے افریقہ میں مقام فیض حکومت ادریسیہ کی بنیاد ڈالی اس سلطنت کے زوال کے بعد فرقہ مذکور ایشیا اور افریقہ کے مختلف حصص میں تتر بتر ہو گیا اور انھوں نے پھر کوئی نیا امام منتخب نکیا۔

اسمٰعیلیہ فرقہ چھ برحق اماموں کی امامت قبول کرنے کے بعد گمراہی میں پڑ گیا اور اس نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے دوسرے فرزند حضرت اسمٰعیل کو جو امام موصوف کی حیات میں انتقال فرما گئے تھے اپنا امام تسلیم کیا اُن کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادق کے انتقال کے بعد امامت حسب عقیدہ فرقہ اثنا عشری و دیگر مسلمان حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو تفویض نہیں ہوئی بلکہ حضرت اسمٰعیل کے فرزند محمد المعروف بہ مکتوم (پوشیدہ) کو ملی اور آپ کے انتقال کے بعد امامت آپکے فرزند ارجمند حضرت جعفر الصادق کو منتقل ہو کر اُن کے فرزند حضرت محمد الحبیب پر ختم ہوئی

ان حضرت محمد الحبیب کے فرزند ابو محمد عبد اللہ اس شاندار فاطمی سلطنت کے بانی ہوئے جو تقریباً تین سو سال تک شمالی افریقہ میں برقرار رہی ابو محمد عبد اللہ کے جرنیل جوہر نے مصر و شام خلفاء بغداد سے فتح کر لئے

اور رفتہ رفتہ اس خاندان بنی فاطمہ نے کل افریقہ، مصر و شام اور دیار بکر پر قبضہ کر لیا یہاں تک کہ
حرمین الشریفین پر بھی قابض ہو گئے اور کچھ عرصہ تک ان خلفا بنی فاطمہ کے نام کا خطبہ مکہ کا دار الخلافہ
قاہرہ میں تھا بغداد میں بھی پڑھا جانے لگا۔ قاہرہ کی اس زبردست سلطنت نے بنی عباس کو سخت تنگ
و حسد میں ڈالا اور انھوں نے اس سلطنت کے جواز کے متعلق بہت سے فتوئے اور رسائل اختراع کرنے شروع
کردیئے اور یہ مشہور کیا کہ فرقہ اسمعیلیہ کے حمایہ خلفا در اصل بنی فاطمہ نہیں ہیں۔ لیکن کل مورخان مثل ابو الفدا
ابن خلدون۔ مقریزی اسکو بنی عباس کے تعصب پر محمول کرتے ہیں اور بالکل افترا بتلاتے ہیں۔
اس فرقہ اسمعیلیہ کا ایک پیرو حسین بن محمد المعروف بہ حسن صباح نے کوہستان فارس میں ایک مستحکم قلعہ
الموت نامی پر قبضہ کر لیا اور آس پاس کے شہروں کو تاخت و تاراج کر کے ایک خفیہ سوسائیٹی کی بنا ڈالی
جس نے تقریباً ۱۵۰ سال تک کل ایشیا۔ افریقہ اور مغربی یورپ میں ایک طوفان بے تمیزی پیدا کر دیا
اس حسن صباح کے نام سے ہر کوئی دہشت کھاتا تھا اور چاروں طرف اس کی دھاک بندھ رہی تھی
اس کی کیفیت یہ ہے کہ حسن صباح ایک شیعہ عالم کا بیٹا تھا اور منجملہ علوم ضروری میں مہارت رکھتا تھا اسکے
تدبیر قطعاً میں جرایم اور بد اخلاقی بالکل مذموم ہو گئے تھے حسن بذات خود بھی مذہب کا بڑا پابند تھا الا وہ
خفیہ سوسائیٹی الموت جسکا وہ گرینڈ ماسٹر تھا بہت سی خون ریزیوں کا باعث ہوئی اور مسلمان عیسائی
دونوں ہی اس کا شکار ہوئے۔ آخر کار ہلاکو نے ان کی خفیہ قتل و غارت گری کا خاتمہ کر دیا
اب ہم ان اصلی شیعوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو اثنا عشری کہلاتے ہیں اور جو ان برحق اور معصوم بارہ
اماموں کے پیرو ہیں اول حضرت علی مرتضی علیہ السلام اسد اللہ الغالب شیر خدا۔ دوم امام حضرت حسن مجتبیٰ
سوم امام حضرت حسین شہید کربلا۔ چہارم امام حضرت علی زین العابدین۔ پنجم امام حضرت محمد الباقر ششم
امام جعفر صادق ہفتم امام حضرت ابو الحسن موسیٰ کاظم۔ ہشتم امام حضرت علی ابو الحسن الرضا نہم امام حضرت
ابو جعفر الجواد تقی۔ دہم امام حضرت علی نقی۔ یازدہم امام حضرت ابو محمد الحسن ابن العلی الہادی دوازدہم
امام حضرت محمد المہدی آخر الزمان امام قایم و غائب علیہم السلام
خاندان رسول کے یہ برحق دوازدہ امام در اصل وہ برگزیدہ وجود ہیں جنکی تعلیم فی الواقعی قرآن مجید
کا ایک ضمیمہ ہے جس کے بغیر اسلام نامکمل رہجاتا ہے اور یہی وہ پاک نفوس ہیں جن کی بابت خود بانی اسلام
نے فرمایا ہے کہ اگر مسلمان دو چیزوں یعنی قرآن شریف اور میری عترت کی متابعت کرتے رہیں گے

تو وہ کبھی گمراہ ہوں گے چنانچہ اسلامی تواریخ ہمکو بڑی وضاحت کے ساتھ یقین دلاتی ہے کہ جسقدر علوم فلسفہ وسائنس اسلام کی بے انتہا شہرت واقتدار کا باعث ہوئی وہ سب ہی ان فاطمی اماموں کی بدولت ہم تک پہنچے سب سے پہلے عرب میں حضرت علیؑ نے درس وتدریس کی بنا ڈالی جس کی رونق آپ کے پڑپوتے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بدرجہ کمال پہنچا دی چنانچہ اہل سنت وجماعت کے بڑے امام ابوحنیفہ آنحضرت ہی کے خوشہ چینوں میں سے تھے اور جنھوں نے گو بعد ازاں اپنی تعلیم کا سلسلہ ڈالا الا محقق اہل نظر بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ آپ کے مسائل حضرت امام جعفر صادق کی تعلیم سے کس قدر مشابہ ہیں اور جس سے فوراً ہی پتہ لگ سکتا ہے کہ اُن کا مخرج کیا ہے۔ خلیفہ ماموں کے وقت میں جو فلسفہ وسائنس بغداد کی ترقی اور شہرت کا موجب ہوئی وہ سب حضرت امام رضا علیہ السلام کے طفیل تھی جنھوں نے معقولیت اور آزادی رائے کی بے انتہا تعلیم دی غرضیکہ یہ کہنا بیجا نہوگا کہ اسلام کی پاکیزہ اور بے لوث تعلیم محض ان دوازدہ معصوم اماموں کی بدولت باقی ہے ورنہ خود غرض سلاطین بنی امیہ وبنی عباس نے اسلام کی جڑوں میں پانی دینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی اور یقیناً اسلام کا وہی حشر ہوتا جو دنیا کے دیگر مذاہب کا ہوا ہے۔

فرقہ اثنا عشری جو ان دوازدہ اماموں کے پیرو ہیں اگرچہ وہ سب کے سب امامت کی مندرجہ بالا ترتیب پر متفق ہیں الا اُن میں سے کچھ لوگ اپنی کمزوریوں اور ضعیف الاعتقادی کی بدولت محدود الخیال بن گئے ہیں اور مجتہدوں کی تقلید اسقدر آنکھ بند کرکے کرتے ہیں جو اسلام کی آزادانہ رائے اور معقولیت کو ایک حد تک صدمہ پہنچاتی ہے۔ لیکن شکر ہے کہ اگر اسلام کا نہیں تو فرقہ شیعہ کا بڑا گروہ اصولی ہے جنکا یہ عقیدہ ہے کہ قانون الہٰی صاف اور وسیع ہے یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اسکی پیروی میں معقولیت اور استدلال کو کام میں لائیں۔ یہ کوئی ضروری بات نہیں ہے کہ ہم خواہ نخواہ مرکب الخطا آدمیوں کی تقلید ایسے اندھے ہوکر کریں جو ہمکو اور بھی پیچیدگیوں ڈالنے کا موجب ہو اصولی یہ کہتے ہیں کہ حدیثیں دراصل قرآن شریف کی تعلیم کی وضاحت کرتے ہیں اس لئے اُن کی مطابقت قرآن شریف سے ضروری ہے اور وہ حدیثیں جو قرآن شریف کی تعلیم کے متناقض ہیں قابل اعتبار نہیں ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہر ایک حدیث کی استدلال اس امر پر کہ وہ صحیح ہیں یا غلط بعقل اُن پر واجب نہیں ہے اس لئے اس کے واسطے کوئی معیاد مقرر کیا جانا ضروری ہے۔ چنانچہ فرقہ معتزلہ بھی اس امر میں متفق ہے کہ حدیث

قدسی وہ ہیں جو خاندان رسول کے پاک اماموں سے روایت کی گئی ہوں جو بانی اسلام کی تعلیم کو سمجھنے کے لئے بہترین سند ہیں۔

اصولی حدیث کی چار قسمیں کرتے ہیں اول حدیث صحیح دوم حدیث حسن سوم حدیث موثق۔ چہارم حدیث ضعیف۔ حدیث صحیح وہ ہے جو کسی امام معصوم نے بیان فرمائی ہو۔ حدیث حسن وہ ہے جو کسی ایسے شخص سے سنی گئی ہو جس نے خود کسی معصوم سے سنی ہو۔ حدیث موثق وہ ہے جو کسی ایسے پیرو حضرت علیؑ سے روایت کی گئی ہو جس کی سچائی اور دینداری میں کچھ شک ہو۔ حدیث ضعیف وہ ہے جو ان تینوں سے متناقض ہو چنانچہ اصولی پہلی تین قسم کی حدیثوں پر عمل کرتے ہیں۔

دراصل اصولی اپنی قوت افضال و استدلال سے زیادہ کام لیتے ہیں اور حدیث کے صحیح یا غلط ہونے میں بہت کچھ چھان بین کرتے ہیں وہ اس امر کے پابند ہیں کہ جو کچھ مجتہدین کہیں انکی تعمیل ان پر فرض ہے وہ اخباریوں کے اس عقیدہ کو پسند نہیں کرتے کہ مجتہدین کا ہر قول و فعل ان کے لئے باعث تقلید ہے اور نہ بعض یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ اخباریوں کی ان بے شمار حدیثوں کو صحیح تصور کرلیں جن کی جستجو کے ساتھ اصلیت دریافت نہ کی گئی ہو۔

اس کے برخلاف اخباری صرف حدیث کے نام ہی کو کافی جانتے ہیں خواہ اس پر کسی امام برحق کا عمل رہا ہو یا نہ رہا ہو وہ ہر ایک معاملہ میں مجتہدین کی رائے اور حکم واجب التعمیل سمجھتے ہیں لیکن واضح رہے کہ اخباری زیادہ تر غیر تعلیم یافتہ لوگ ہیں حالانکہ کل عالم اور تعلیم یافتہ لوگ اصولی ہیں چنانچہ سب سے زیادہ اثنا عشری اصولی ہیں۔

اصولی فرقہ کا بانی ایک شخص محمد بن ابراہیم المعروف بہ ملا صدرا تھا جو اپنے وقت کا بہترین عالم اور فلاسفر تھا یہ شخص شیراز کا رہنے والا تھا اور اس نے اپنے اصولوں کو اسوقت پھیلانے کی کوشش کی جبکہ کل ایران خاندان بویہ کے زوال کے بعد نہایت تاریکی اور تعصب میں غرق ہو رہا تھا۔ چنانچہ ملا صدرا کو بھی ایسی حالت میں وہ تمام مصائب اور دقتیں اٹھانی پڑیں جو فرقہ پروٹسٹنٹ کے بانیوں کو اٹھانی پڑی تھیں ایران میں یہ وہ زمانہ تھا کہ استدلال اور معقولیت سے لوگ نفرت کرتے تھے اور فلسفہ و سائنس کی اسقدر بے قدری ہو گئی تھی کہ بوعلی سینا کے نام سے لوگ گھبراتے تھے اس کی تمام تصانیف جلتے شعلوں کی نظر کی گئی تھی لیکن یہ ملا صدرا ہی کی قابلیت اور قوت ارادی تھی کہ اس نے اصولی

تعلیم کو پھر چلا دی جس نے خاندان صفوی کے وقت بڑی رونق حاصل کی مذہب اصولی کا دوسرا اہم ترجمہ اور مشابہ فرقہ اعتزال ہے جس میں معقولیت اور آزادی رائے کی زیادہ تعلیم ہے اور یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ معتزلی تعلیم محض فاطمی اماموں کی تعلیم ہے جو بانی اسلام کی سچی تصویر ہے۔

ان تمام واقعات کو بیان کرنے اور سوچنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اسلام کی فرقہ بندی اور اختلاف رائے محض بعض خود غرض سلاطین اور مطلب پرست لوگوں کی بدولت تھی چونکہ اب وہ زمانہ نہیں اور حسن اتفاق سے ہم بے تعصب برٹش گورنمنٹ کے سایہ عاطفت میں ہیں جہاں ہمکو کسی ہم حکومت فریق کی ایذا رسانی کا خوف نہیں اور ہم آزادی رائے اور معقولیت کو بلا خوف وخطر کام میں لا سکتے ہیں اس لئے کم سے کم ہندوستان کے مسلمانوں کو واقعات اور حالات پر غور کرکے اُن راہوں سے گریز کرنا چاہئے جو اُن کے آباو اجداد نے تاثیر وقت اور رفتار زمانہ کی وجہ سے اختیار کی تھیں - خدا و رسولؐ کے بموجب صرف قرآن شریف اور عترت رسول یعنے دوازدہ معصوم اماموں کی مضبوطی کے ساتھ تقلید کی جائے تو اس طرح کل اسلام ایک ہو جائے گا اور یکجہتی سے بڑھکر کوئی اور چیز دنیا میں نہیں۔

برسولاں بلاغ باشد وبس